طلوع اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

قیمت فی پرچہ
15/-
روپے

ٹیلیفون : 5714546/5753666
Idara@toluislam.com
خط وکتابت
ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) 25/بی گلبرگ 2 لاہور

بدل الاشتراک
سالانہ
پاکستان -170 روپے
غیرممالک -800 روپے

جلد 53 ستمبر 2000 شمارہ نمبر 09

Bank Account Number 3082-7, National Bank of Pakistan, Main Market Gulberg Branch, Lahore.

ادارت محمد سلیم اختر

مجلس مشاورت

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر (اردو سیکشن)
بشیر احمد عابد (اردو سیکشن)
محترمہ شمیم انور (انگلش سیکشن)
: ———— :
اکاؤنٹینٹ : مرزا زمرد بیگ
سرکولیشن منیجر و کمپوزر : شعیب حسین

انتظامیہ

چیئرمین :- ایاز حسین انصاری
ناظم :- اقبال ادریس
ناشر :- عطاء الرحمان ارائیں

قانونی مشیران

عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ
ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ
محمد اقبال چوہدری ایڈووکیٹ

پرنٹرز آفتاب عالم پریس، ہسپتال روڈ، لاہور --- فون: 7232584

فہرست

لمعات	ادارہ	4
جدید اسلامی ریاست	(پرویز صاحب سے انٹرویو)	6
تحریک پاکستان اور انگریزی اقتدار کا معاندانہ رویہ	پروفیسر محمد منور (مرحوم)	18
محترم جناب پرویز مشرف صاحب اس تحریر کو ضرور پڑھئے	ڈاکٹر سید عبدالودود	23
روئیداد تقریب یوم آزادی	محمد سلیم اختر	30
عظیم تحفہ خداوندی انسانی دماغ	ارشاد احمد دانش	33
ذلکم اللہ	محمد سلیمان چوہدری (برمنگھم)	36
بتان عجم کے پجاری	افتخار حسین چنیوٹ	39
جواں فکر۔۔ قرآنی معاشیات	ایم ساجد رزاق	42
حقائق و عبر	ادارہ	45

ENGLISH SECTION

1- Why Do We Lack Character?
By Parwez 64

یاد میں

(۱) پاکستان کی سرحدوں پر بسنے والے ان بے گناہ، مظلوم انسانوں کی، جنہیں بھارتی درندوں نے ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کی صبح بغیر کسی قسم کی آگہی یا اعلان جنگ کے، اس وقت اپنی ہوس خون آشامی کا شکار بنایا جب وہ آرام سے اپنے گھروں میں سو رہے تھے اور ستاروں کی آنکھوں کے علاوہ اس خونی منظر کا دیکھنے والا بھی کوئی نہ تھا۔

(۲) ان معصوم بچوں کی، جنہیں مرہٹہ "بلوانوں" اور سکھ "سورماؤں" نے اچھال اچھال کر اپنی سنگینوں کی نوکوں سے چھلنی کر دیا۔ اس جرم کی پاداش میں کہ انہوں نے مسلمانوں کے گھروں میں جنم لیا تھا۔

(۳) ان عزت مآب دختران ملت کی جنہیں یہ انسان نما بھیڑیے، ان کے صحن خانہ سے ان نامعلوم ویرانوں کی طرف کشاں کشاں لے گئے جہاں سے پھر ان کی آہ و فغاں تک کسی کو سنائی نہ دی۔

(۴) **اور--- یاد میں** ان غیور و جسور جوانان ملت کی جو ان بے پناہ مظالم کا بدلہ لینے کے لئے شمشیر بکف اور کفن بدوش میدان کارزار میں آنکلے اور اپنی **عدیم النظیر** جرات و بسالت سے دنیا کو دکھا دیا کہ حق کی خاطر جان دینے والے کیا کچھ کر دکھایا کرتے ہیں۔

اور--- یاد میں چھمب، جوڑیاں، سیالکوٹ، چونڈہ، واہگہ، برکی، ہڈیارہ، سلیمانکی، راجستھان کے میدانوں کے ان ذرات کی، جو اپنی عالمتاب چمک دمک سے اس حقیقت کی شہادت دیتے ہیں کہ خون شہداء کی رنگینی کس طرح حنابند عروس ملت ہوتی ہے۔

لاکھوں سلام و صلوٰۃ ہوں ان شہدائے امت اور مجاہدین ملت پر، جنہوں نے اپنی فقید المثال قربانیوں سے اس خطہ زمین کو دشمن کی دستبرد سے محفوظ رکھا۔ جسے اسلام کی تجربہ گاہ بننے کے لئے حاصل کیا گیا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

14 اگست

14 اگست (یوم آزادی) کی واجب الاحترام تقریب پر، ملک میں بڑے بڑے سیاسی راہ نماؤں نے تقریریں کیں۔ بیانات دیے۔ اخبارات کے خاص نمبر شائع ہوئے اور ان میں بڑی بڑی اہم ہستیوں کے مقالات شائع ہوئے۔ ان سب سے جو مجموعی تاثر پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ یہ ہندوؤں کی تنگ نظری، مسلمانوں کے خلاف ان کی جفا کیشی اور ستم کوشی تھی جس کی وجہ سے مسلمان ان سے علیحدہ ہو جانے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہندو ذرا فراخ حوصلگی اور کشادہ ظرفی کا ثبوت دیتا تو پھر مسلمان اپنی جداگانہ مملکت کا مطالبہ نہ کرتے۔

ہم پوچھنا یہ چاہتے ہیں کہ کیا یہی تھا مطالبہ پاکستان کا جذبہ محرکہ اور کیا یہی ہے ہماری جداگانہ مملکت کی وجہ جواز؟ اگر ان حضرات کو قرآن کے ورق الٹنے کی توفیق یا فرصت نہیں تھی تو وہ کم از کم قائداعظمؒ کی تقاریر اور بیانات ہی کو سامنے رکھ لیتے جن میں انہوں نے اس مطالبہ کا جذبہ محرکہ اور وجہ جواز نہایت واضح الفاظ میں بیان کیا ہے۔ اس میں انہیں نظر آتا کہ:

> **پاکستان کا مطالبہ ہمارے دین کا تقاضا تھا۔ اس کا جذبہ محرکہ صرف یہ تھا کہ مسلمان اپنی آزاد مملکت کے بغیر صحیح اسلامی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ اسلام کے ایک زندہ نظام بننے کے لئے ایک آزاد خطہ زمین کی ضرورت بنیادی اور لازمی ہے۔**

یہ، اور صرف یہ تھا مطالبہ پاکستان کا جذبہ محرکہ۔ اسی کو دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاتا ہے کہ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس حقیقت کو اس قدر عام کیا جائے کہ یہ ہماری نژاد نو کے دل میں محکم طور پر جاگزیں ہو جائے۔۔۔ اے کاش! اور نہیں تو 14 اگست کے دن ہی ایسا ہو جایا کرے!

☆☆☆☆☆☆☆

طلوع اسلام کنونشن ۲۰۰۰ء

طلوع اسلام کی سالانہ کنونشن اپنے روایتی وقار اور سنجیدگی کے ساتھ

4 ` 5 اور 6 نومبر 2000ء کو منعقد ہو رہی ہے۔

مجوزہ پروگرام

4 نومبر 2000ء :- دوپہر 2 بجے نمائندگان بزم' تحریک طلوع اسلام' ماضی' حال اور مستقبل کے عنوان سے اپنے اپنے تاثرات پیش کریں گے۔ ہر نمائندہ کے لئے لازمی ہوگا کہ وہ اپنے تاثرات بیان کرے۔

5 نومبر 2000ء :- کھلا اجلاس صبح 10 بجے

قرآن اور فرقہ بندی

کے عنوان سے دانشوران قوم خطاب فرمائیں گے۔

اسی دن شام 5 بجے ڈاکٹر نصیر عباسی ماہر نفسیات' نمائندگان بزم سے خطاب کریں گے اور سوال وجواب کی نشست ہوگی۔

6 نومبر 2000ء :- جنرل کونسل کا اجلاس منعقد ہوگا۔

پروگرام کی تفصیل آئندہ شمارے میں دی جائے گی' جبکہ نمائندگان کو علیحدہ خطوط بھی ارسال کردیئے جائیں گے۔

نمائندگان اور ان کے ہمراہ آنے والے مہمانوں کے لئے رہائش کا انتظام حسب سابق فرشی ہوگی۔ موسم کے مطابق اپنا بستر ہمراہ لانا ہوگا۔

چیئرمین ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جدید اسلامی ریاست

(پرویز صاحب سے انٹرویو)

16 دسمبر 1981ء کی شام' روزنامہ جنگ (لاہور) کے نمائندہ' محترم نذیر ناجی صاحب' اپنے دو رفقاء کے ہمراہ' پرویز صاحب کا انٹرویو لینے کے لئے' ان کی اقامت گاہ (25 بی' گلبرگ 2) پر تشریف لائے۔ انٹرویو قریب دو گھنٹے تک جاری رہا۔۔۔ بعد ازاں اس کی روئداد' روزنامہ موصوف کی خصوصی اشاعت بابت 8 تا 14 جنوری 1982ء میں شائع ہوئی۔ جبکہ "طلوع اسلام" نے اسے فروری 1982ء میں شامل اشاعت کیا۔ موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اسے دوبارہ نذر قارئین کیا جاتا ہے۔ (مدیر)

جناب غلام احمد پرویز قائداعظمؒ کے رفقاء میں سے ہیں۔ ایک جید عالم دین اور قرآن مجید کے جانے پہچانے سکالر' برصغیر میں ان کی فکر سے مستفیض ہونے والوں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے' ان کے فلسفہ و فکر کا ماخذ بنیادی طور پر قرآن کریم ہے۔ زیر نظر گفتگو کو ان کے اسی طرز فکر کی روشنی میں پڑھنا چاہئے۔ اس مرتبہ میرے ساتھ لاہور ہائی کورٹ کے ایڈووکیٹ جناب فاروق بیدار اور تجربہ کار صحافی جناب الطاف احمد قریشی تھے۔ گفتگو کا آغاز جناب غلام احمد پرویز کے ساتھ کیا۔

پرویز:- میں عموماً انٹرویو دینے سے احتراز کرتا ہوں۔ بس یوں سمجھئے کہ یہ ایک محفل ہے' جس میں کھل کر بے تکلفانہ گفتگو کریں گے' اخباری اصطلاح میں آپ اسے انٹرویو کہہ لیجئے یا جو جی میں آئے' میرے ہاں تو ایسا ہی ہوتا ہے۔

ناجی:- سب سے پہلے تو میں اظہار ممنونیت کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے اپنا قیمتی وقت نکال کر ہم لوگوں کو شرف باریابی دیا' اپنے ساتھی احباب کا میں تعارف کرا ہی چکا ہوں' ہم ایک ترتیب سے یا باری باری کہہ لیں' چند سوالات کریں گے' تو پہلا سوال یہ ہے کہ آپ کے ذہن میں ایک جدید اسلامی ریاست کا کیا خاکہ ابھرتا ہے؟

پرویز:- اسلامی ریاست نہ جدید ہوتی ہے نہ قدیم۔ اسلامی ریاست قرآن کریم کے اصول و اقدار و احکام کو نافذ کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے' یہ اصول و اقدار قدیم و جدید میں تقسیم نہیں کئے جا سکتے' وہ غیر متبدل ہیں' مکمل ہیں۔ قرآن کریم نے بجز چند احکام.... اصول و اقدار کی حدود متعین کر دی ہیں' اس نے یہ کہا ہے کہ اسلامی مملکت وہ ہے جو قرآن کے مطابق قائم ہو اور اس کا فریضہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے..... اصول و اقدار کی حدود کے اندر رہتے ہوئے' اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق قوانین نافذ کرنے کے طریقے امت کے مشورے سے خود وضع کرے۔ تو گویا اصول و اقدار غیر متبدل چلے آرہے ہیں' اس اعتبار سے انہیں جدید نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن ہم اپنے زمانے میں' یعنی اسلامی مملکت میں' اپنے دور کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر' ان اصول کی حدود میں رہتے ہوئے' امت کے مشورے سے جو قوانین وضع کر کے نافذ کریں گے وہ جدید ہوں گے۔ انہیں بائی لاز کہہ لیجئے۔ احکام کہہ لیجئے۔ اس مملکت کا طریق کار کہہ لیجئے۔ یہ تو ہو گا جدید اور وہ ہو گا قدیم۔

اسلامی ریاست کی ہیئت کذائی

ناجی:- جب میں نے جدید ریاست کی اصطلاح استعمال کی تھی تو مقصود یہ تھا کہ اسے دیگر ادوار سے متمیز کر سکوں۔ مثلاً ایک قدیم قبائلی ریاست تھی' بادشاہی ریاست تھی' اس کے اپنے

[illegible] پہنچے تھے' جدید ریاست میں بنیادی حیثیت اداروں کو حاصل ہے' عہد جدید کو ایک طرح سے آپ انسٹیٹیو شنلائزیشن کا عہد قرار دے سکتے ہیں' مثلاً عدلیہ کا ادارہ' معیشت کے ادارے جیسے بینک اور انشورنس کمپنیاں' تجارت کے ادارے' عرض یہ کر رہا تھا کہ جدید ریاست جو نہایت منظم اداروں کے مجموعے کا نام ہے' اس میں ہم ان اداروں کی تنظیم اسلامی نقطہ نظر سے کس طرح کریں؟ اس سلسلے میں ایک ملتا جلتا سوال یہ ہے کہ ہم اسلامی ریاست کی ہیئت کی جو بات کر رہے ہیں اس کے تفصیلی اجزا کی تلاش تو قرآن حکیم میں ہو نہیں سکتی۔ سوال یوں ہے کہ قرآن میں دیئے گئے بنیادی اصولوں کا موجودہ معاشرے پر اطلاق کس طرح کیا جا سکتا ہے؟

پرویز :- میں پہلے عرض کر دوں کہ میں قرآن حکیم کا طالب علم ہوں' جو جواب دونگا قرآن کی حدود کے اندر رہ کر دوں گا۔ جو چیز قرآن میں نہیں ہو گی اس کے بارے میں عرض کروں گا کہ قرآن نے اس کی تفصیل نہیں دی۔ تو میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ مملکت کا تصور' قرآن کی رو سے ایک ایسا ادارہ ہے جو قرآن کے اصول و اقدار کو اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق روبہ عمل لائے۔ یہ جتنی چیزیں آپ نے فرمائی ہیں کہ اس دور میں انہیں کیسے انسٹیٹو شنلائز کیا جائے؟ تو یہ اسلامی ریاست کے کرنے کے کام ہیں۔ میرے نہیں' وہ اگر مشورہ طلب کرے تو میں دوں گا' لیکن یہ میرے' زید یا بکر کے کرنے کا کام ہے نہیں۔ اسلامی ریاست یا مملکت خود دیکھے گی کہ اس کے اندر اداروں کو کس طرح منظم کرنا ہے۔ یہ بات وہ طے کرے گی' کوئی ایک فرد نہیں۔ یہی چیز میں قرآن کے ایک طالب علم ہونے کی حیثیت سے عرض کروں گا کہ ایک فرد کو یہ طے کرنے کا حق نہیں ہے کہ کیا چیز اسلامی ہے' کیا نہیں ہے؟

[illegible] :- بجا فرمایا آپ نے' آپ کا ارشاد ہے کہ یہ اسلامی ریاست یا مملکت کا فریضہ ہے کہ وہ اسلام کے بارے میں [illegible] آپ سے [illegible] کرتے ہیں [illegible] کا ایک [illegible] [illegible] والے کی حیثیت سے۔ اس حوالے سے ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ جس اسلامی ریاست کی آپ بات کرتے ہیں' اس میں اداروں کی تشکیل کس طرح ہو سکتی ہے؟ ریاست کا ڈھانچہ' آپ کے ذہن میں کس طرح ابھرتا ہے؟

ناجی :- اس سوال میں ذرا سا اضافہ۔ آپ نے فرمایا کہ سب کام تو مملکت کے کرنے کے ہیں' میں صرف مشورہ دے سکتا ہوں' تو آپ سے پوچھوں گا کہ مملکت کہاں سے آئے گی؟ یا تو یہ تاریخی تسلسل میں چلی آنے والی چیز ہوتی ہے یا اسے قائم کیا جاتا ہے۔ میں پاکستان کی بات کروں گا۔ کیا ہم اس لئے اسے اسلامی کہیں کہ یہ خلافت راشدہ کا تسلسل چلا آ رہا ہے۔ امر واقعہ تو یہ ہے کہ ایسا نہیں۔ جب یہ تسلسل نہیں تو پھر کیا مسلمانوں کی موجودہ سلطنتیں موجودہ اسٹیبلشمنٹ' موجودہ انتظامیہ کے ساتھ اسلامی کہلا سکتی ہیں؟ اگر اسلامی نہیں تو پھر اس سے الگ سوال ابھریں گے۔ وہ اسلامی ریاست جس کا ذکر آپ نے کیا ہے جس کے فرائض کی نشاندہی آپ نے کی ہے۔ اس کے قائم کرنے کا طریقہ کیا ہو گا؟

ابدی اصول اور قابل تغیر تفصیلات

پرویز :- اسلامی مملکت سے متعلق بنیادی اصول جو قرآن نے بیان کر دیئے ہیں وہ یہ ہیں (ترجمہ ملاحظہ فرمائیں) **"کافر اور مومن یا اسلام اور کفر میں خط امتیاز یہ ہے کہ جو خدا کی کتاب کے مطابق حکومت قائم کرتے ہیں وہ مومن ہوتے ہیں جو ایسا نہیں کرتے وہ کافر ہوتے ہیں"**۔ یہ اصول تو اسلام نے بیان کر دیا۔ اب ریاست یا حکومت سے متعلق جتنی بات کی جائے گی وہ یہ ہو گی کہ قرآن اس کے متعلق کیا کہتا ہے۔ یہاں یہ نہیں ہو گا کہ کوئی کیا کہتا ہے (میں یا کوئی اور) یہاں یہ دیکھنا ہو گا کہ خدا کی کتاب کیا کہتی ہے۔ قرآن' مملکت کا ڈھانچہ نہیں دیتا' ڈھانچہ متبدل ہوتا ہے' بدلتا رہتا ہے۔ اس نے یہ کہا ہے کہ **"میرے اصول اور اقدار مکمل بھی ہیں اور غیر متبدل بھی"**۔ لیکن اسلامی ریاست کے ڈھانچے کی جو [illegible] شکلیں ہیں' یہ قرآن نے کہیں نہیں دیں (دانستہ نہیں دیں) کیونکہ یہ چیزیں بدلنے والی

ہیں۔ اگر قرآن یہ چیزیں خود دے دیتا (جو بدل سکتی ہیں) تو ہم مصیبت میں پھنس جاتے۔ اس نے کہا ہے اگر جزئیات اور طریق کار کو بھی قرآن میں دے دیا جاتا تو وہ غیر متبدل قرار پا جاتیں اور جب وہ زمانے کے بدلنے والے تقاضوں کا ساتھ نہ دے سکتیں تو تم یہ کہہ کر دین ہی کو چھوڑ دیتے کہ یہ ناقابل عمل ہے۔ جیسا کہ یہودیوں نے کیا۔ اس لئے ہم صرف اصول و اقدار دے رہے ہیں اور ان کے تابع جتنی جزئیات ہیں وہ تمہیں خود متعین کرنا ہوں گی۔ کیونکہ یہ بدلتی رہتی ہیں.... ہاں البتہ یہ انہی اصول و اقدار کے مطابق ہونا چاہئے جو غیر متبدل ہیں۔ آپ نے تاریخ کی جو بات کی ہے اس سے متعلق پہلی بات تو یہی ہے کہ اگر ہمیں صحیح تاریخ مل بھی جائے تو وہ یہی بتائے گی کہ فلاں دور میں اسلامی مملکت کی تفصیلات کیا تھیں' لیکن جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے تفصیلات تو ہر زمانے میں بدلتی رہیں گی۔ اگر ہمیں کسی سابقہ دور کی تفاصیل معلوم بھی ہو جائیں تو ان سے صرف تاریخی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ ان میں سے اگر کوئی تفصیل ہمارے زمانے کے تقاضے کو پورا کرتی ہے تو اسلامی مملکت اسے اختیار کر لے گی۔ اگر ایسا نہیں تو وہ اپنے لئے تفاصیل آپ مرتب کرے گی۔

علاوہ ازیں ہماری تاریخ خود تاریخ کے اصولوں کی رو سے بھی' مستند تاریخ نہیں کہلا سکتی۔ یہ تاریخ صدر اول کے قریب تین سو سال بعد زبانی روایات کی رو سے مرتب ہوئی تھی۔ اس میں اختلافات خود اس امر کے شاہد ہیں کہ اسے مستند قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مستند اور غیر متبدل قرآن کے اصول و اقدار ہیں جو قرآن کے اندر محفوظ چلے آتے ہیں۔ اسلامی مملکت انہی اصول و اقدار کی حدود کے مطابق قائم ہو گی اس لئے اسے اسلامی قرار پانے کے لئے خارج از قرآن سابقہ ادوار میں متعین کردہ جزئیات کی ضرورت نہیں ہو گی۔ اس کی ضرورت تو جب ہو کہ اس کی جزئیات کو آج بھی من و عن اسی شکل میں نافذ کرنا لازمی ہو۔ صدر اول کے بعد آج تک جتنی ریاستیں بھی قائم ہوئیں وہ اسلامی نہیں تھیں کیونکہ ان میں اقتدار مطلق قرآن کو حاصل نہیں تھا۔ وہ مسلمانوں کی سلطنتیں تھیں۔ ان میں قرآن کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ وہ تو قائم بھی قرآن کے مطابق نہیں ہوئی تھیں۔ مانزل اللہ اور ملوکیت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ وہ تو اس مملکت کو جو بزور شمشیر قائم کی جائے یا موروثی بادشاہت ہو غیر اسلامی قرار دیتا ہے۔ اگر کسی غیر قرآنی ریاست میں قرآن کے کسی حکم کو نافذ بھی کر دیا جائے تو اس سے وہ ریاست اسلامی نہیں ہو جاتی۔ انڈیا والے اگر شراب کو ممنوع قرار دے دیں (جو کہ اسلام کا حکم ہے) تو اس سے بھارت کی حکومت اسلامی نہیں ہو جاتی۔ حکومت کے اسلامی ہونے کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ اس کا جملہ کاروبار مانزل اللہ کے مطابق ہو۔ سوائے اس پہلے دور کے جس کی شہادت خود قرآن نے دی ہے۔ (تاریخ کی رو سے نہیں) کسی دور میں کسی مملکت میں مانزل اللہ کے مطابق حکومت قائم نہیں ہوئی۔ اگر کسی نے اسلامی حکومت قائم کرنی ہے تو اس کے لئے دیکھنا یہ ہو گا کہ قرآن کے اصول و اقدار کیا ہیں؟ ان اصولوں کی حدود کے اندر رہتے ہوئے امت باہمی مشاورت سے اس کی تفصیلات طے کرے گی۔

ناجی :- عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اگر آپ سے یہ مشورہ طلب کیا جائے اور آپ سے یہ عرض کیا جائے کہ جناب ہم اسلامی مملکت قائم کرنا چاہتے ہیں تو قرآن مجید کی رو سے اسلامی مملکت کے خط و خال کیا ہو سکتے ہیں۔ اس کا ڈھانچہ کیا ہو گا۔ وہ غیر متبدل اصول کیا ہیں.... جن کے اندر رہ کر ہم اسلامی مملکت قائم کر سکتے ہیں؟

پرویز :- میں اس پر غور کرتا رہتا ہوں' لیکن اس کے متعلق کوئی بات نہیں کرتا' کیونکہ یہ میرے اور آپ کے کہنے کی نہیں۔ اس کا فائدہ کوئی نہیں۔ فائدہ تو اس وقت ہو گا جب اسلامی حکومت کے لئے پہلا اساسی قدم اٹھایا جائے یعنی یہ فیصلہ کہ ریاست کا جملہ کاروبار قرآنی حدود کے اندر رہتے ہوئے امت کے مشورہ سے ہو گا۔

الطاف :- آپ کے خیال میں وہ اساسی حالات کیا ہوں گے؟

- میں نے عرض کیا ہے کہ میں ان چیزوں کے متعلق کچھ نہیں کہا کرتا۔ یہ قبل از وقت ہیں۔ جہاں اسلامی مملکت قائم ہو گی وہاں کے ارباب فکر اس کے متعلق سوچیں گے۔

ف :- آپ کی اس گفتگو سے یہ احساس ہوا بلکہ یہ تاثر ملا ہے جیسے آپ کسی یوٹوپیا کی بات کر رہے ہیں۔ کہ جب ایسا ہو گا تو ایسے ہو گا اور پتہ نہیں کب ہو گا' احساس یہ ہوا ہے کہ یہ کوئی تصوراتی قسم کی بات ہے کہ شاید ایسا ہو جائے ورنہ اس کے مثبت امکانات نہیں ہیں۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جب پاکستان قائم ہوا تو ایک خطے کے مسلمانوں کے تحفظ کے لئے جو خطہ چنا گیا اس کے اردگرد جو سرحدیں قائم ہوئیں اس کو پاکستان کا نام دیا گیا۔ اسے برصغیر کے مسلمانوں کی مملکت اور ریاست کہا گیا۔ ظاہر ہے اس وقت اس حوالے سے ایک خطہ زمین تو مسلمانوں کے پاس ہے' لہٰذا لوگوں کو یہ بتانا ضروری ہے کہ اس میں اسلامی ریاست کے خط و خال کیا ہو سکتے ہیں۔ آپ ان کی کیا تصویر لوگوں کو پیش کریں گے؟

اسلامی ریاست یوٹوپیا نہیں

پرویز :- معاف رکھئے! یا تو میں اپنا مفہوم واضح نہیں کر سکا۔ یا آپ سمجھے نہیں۔ اسلامی مملکت کا قیام یوٹوپیا نہیں۔ یہ ہر دور میں ہروقت ممکن العمل ہے لیکن آج ہم جس دور میں رہ رہے ہیں اس میں مسلمانوں کی کوئی مملکت ایسی نہیں جس نے یہ کہا ہو کہ وہ اپنا تمام کاروبار ماانزل اللہ کے مطابق کرے گی۔ اور وہ ایسا کر رہی ہو۔ ظاہر ہے اس صورت میں میرا یہ سوچنا اور ورک آوٹ کرنا کہ اس اسلامی ریاست کی شکل کیا ہو گی' ...تیت کیسے ہوں گے' مشاورت کیسے ہو گی۔ پارلیمنٹ بھی ہو گی یا نہیں' آئین اس قسم کا ہو گا' یہ سب کچھ قبل از وقت ہو گا۔ اور مفید مطلب بھی نہیں کہ یہ جزئیات اس وقت کے حالات کے مطابق طے ہوں گی۔ میری عمر اسی میں گذر رہی ہے۔ یہی چیز تھی جو میں نے علامہ اقبالؒ سے سیکھی۔ میری فکر ...نہی کے فیضان کی رہین منت ہے۔ یہی چیز تھی جو تحریک پاکستان کے دوران مجھے قائداعظمؒ کے گوش گذار کرنے کا موقع ملا اور ان سے ملاقاتوں میں یہ اصول ہی تھے جن پر ہم بحث کرتے تھے۔ اگرچہ قائداعظمؒ کی نظر میں تھا کہ ہمیں ایک خطہ زمین مل رہا ہے اور وہاں ہمیں یہ کام کرنے ہیں۔ انہوں نے بھی (جہاں تک میرے علم میں ہے) کسی آئین کا خاکہ یا جزئیات کا نقشہ نہیں بتایا تھا' جب بھی بات ہوتی وہ یہی پوچھتے کہ بتاؤ اس مملکت کے اصول کیا ہوں گے؟ ہاں اگر اصول کے متعلق آپ پوچھتے ہیں تو اس میں بنیادی بات جو قرآن کہتا ہے وہ یہ ہے کہ "**اس مملکت میں ہر انسان کی بحیثیت انسان تکریم ہو گی**"۔ اس مملکت کا کوئی فیصلہ خواہ وہ اشارۃً یا کنایتہً ہی کیوں نہ ہو' اگر ایسا ہے کہ اس سے کسی انسان کی تذلیل ہوتی ہے وہ ماانزل اللہ' کے خلاف ہو گا۔ اب رہا یہ کہ اس مقصد کے لئے کس قسم کے قانون بنائے جائیں گے یہ میرے بتانے کی بات نہیں۔ میرے بتانے کی بات تو یہ ہے کہ اس میں کسی انسان کی تذلیل نہ ہو اور یہ اتنا بڑا اصول ہے کہ اگر آپ اس کی جزئیات میں جائیں تو معلوم نہیں کیا کچھ سوچنا اور کرنا پڑے۔ اس میں تو مجرم اور انسان میں بھی فرق نہیں کیا جائے گا۔ اسلامی مملکت کا دوسرا اصول یہ ہے کہ اس میں کوئی فرد بھی بنیادی ضروریات زندگی سے محروم نہیں رہے گا۔ نبی اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق اگر کسی بستی میں ایک فرد بھی رات کو بھوکا سو گیا تو اس بستی سے خدا کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھ جائے گی اور وہ بستی اسلامی نہیں رہے گی۔ یہ وہ اصول ہیں جن پر اسلامی ریاست عملی طور پر کام کرے گی۔ ممکن ہے اس شعبے میں وہ مشورہ نہ دے سکوں' کوئی ماہر اقتصادیات مشورہ دے سکے۔ تاہم اصول یہ ہو گا کہ کوئی فرد رات کو بھوکا نہ سوئے۔ کوئی فرد تن ڈھانپے بغیر نہ رہے' کوئی فرد' رزق سے محروم نہ رہے۔ یہ اتنی بڑی ذمہ داری ہے' جو اس مملکت کو پورا کرنا ہے۔ اس ذمہ داری سے وہ کس طرح عہدہ برآ ہوتی ہے یہ اس مملکت کے کرنے اور سوچنے کا کام ہو گا۔ اس وقت حالات کیا ہوں گے۔ کون لوگ مشورہ دیں گے۔

یہ الگ بات ہے۔ علامہ اقبالؒ نے بھی ساری عمر یہی اصول بیان فرمائے اور قائداعظمؒ نے بھی۔ آپ دیکھتے ہیں جو کچھ انہوں نے کہا وہ اصول ہی تھے۔ کہیں انہوں نے جزئیات کی تشکیل کا ذکر نہیں کیا۔ (قائداعظمؒ اس باب میں کس قدر محتاط تھے اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ (تحریک پاکستان کے دوران تو یک طرف) تشکیل پاکستان کے بعد' انہوں نے بحیثیت گورنر جنرل فروری 48ء میں اہل امریکہ کے نام ایک پیغام براڈ کاسٹ کیا تھا۔ اس میں' اس سوال کے جواب میں کہ پاکستان کا کانسٹی ٹیوشن کیسا ہو گا' کہا تھا کہ "پاکستان کا کانسٹی ٹیوشن' پاکستان کی مجلس دستور ساز نے ہنوز مرتب کرنا ہے! میں نہیں کہہ سکتا کہ اس آئین کی آخری شکل کیا ہو گی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں کا حامل جمہوری آئین ہو گا۔ یہ اصول عملی زندگی میں آج بھی اسی طرح ممکن العمل ہیں جس طرح تیرہ سو سال پہلے تھے... اتنی بات واضح ہے کہ پاکستان ایسی مملکت نہیں ہو گی جہاں تھیاکریسی عمل پیرا ہو۔" آپ غور کیجئے کہ قائداعظمؒ --- قوم کے مسلمہ راہنما۔ پاکستان کے گورنر جنرل اور اعلیٰ پایہ کے مقنن ہونے کی جہت سے--- اس پوزیشن میں تھے کہ دستور پاکستان کی کچھ تفصیلات بیان کر دیتے۔ لیکن انہوں نے اس سے عمداً" اجتناب برتا اور یہ کہہ کر کہ یہ تفصیلات مجلس دستور ساز کے طے کرنے کی ہیں۔ یہ واضح کر دیا کہ جو فریضہ پوری قوم کا ہو' کسی فرد کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس باب میں لب کشائی کرے۔ ایسا کرنا غیر ذمہ دارانہ بھی ہوتا ہے اور قبل از وقت بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ جو قوم عمل سے بیگانہ ہو چکی ہو' وہ اس قسم کی لاحاصل نظری بحثوں میں بڑی لذت لیتی ہے۔ اس سے' سوائے اس کے کہ قوم میں اختلافات پیدا ہوں اور انتشار بڑھے' کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ہمارے ہاں یہی ہو رہا ہے۔ اسلام کا مفہوم تک متعین نہیں' اور اسلامی مملکت کی جزئیات متشکل کرنے کی بحثیں جاری ہیں۔ اسے کہتے ہیں "پانی بلونا"۔ (طلوع اسلام)۔

میں تو ہندوستان میں بھی اور یہاں بھی تیس پینتیس سال سے اصول ہی بیان کر رہا ہوں کہ اس میں یہ یہ خصوصیات ہوں گی تو اسے اسلامی ریاست کہا جائے گا۔ یہ کس طرح سے ہو گا۔ یہ بات مملکت کے طے کرنے کی ہے اور اس وقت قبل از وقت۔ کیونکہ اس وقت اس کے بیسیوں شعبے ہوں گے' ہر شعبے میں تو میں مشورہ نہیں دے سکوں گا جو اس کے اہل ہوں گے وہی مشورہ دیں گے۔ اس میں قرآن کی رو سے مرد اور عورت کی مساوات ہو گی۔ اس حوالے سے بھی یہ چیز ان کے طے کرنے کی ہو گی۔ وہاں تسخیر کائنات کا اصول ہے کائنات کو مسخر کر کے اس کی قوتوں کو قرآن کی اقدار کے مطابق نوع انسان کی منفعت کے لئے استعمال میں لانے کی شرط ہو گی۔ قرآن کی رو سے بقا اسی کام کے لئے ہے جو نوع انسان کی منفعت کے لئے کیا جائے۔ اگر اس اصول کا دائرہ وسیع کر دیا جائے تو اس کے اندر' پوری انسانیت آجاتی ہے۔ جب بھی کوئی شخص اسلامی مملکت کے قیام کا ارادہ کرے تو یہ بات مدنظر رکھے کہ یہ اس کی ذمہ داریاں ہیں۔ اسے جہاں سے بھی شروع کرنا ہے وہ قدم اول اٹھا سکتا ہے۔ اس کے بعد بتدریج اس کی تکمیل ہو گی۔ یہ پہلے دن ہی نہیں ہو سکے گا۔

مشاورت کے لئے کس قسم کے لوگ ہوں گے

الطاف:- جہاں تک مشورے کا تعلق ہے کیا اس کے لئے کوئی ایسی چیز ہے جس سے ہم سمجھ سکیں کہ مشورے کے لئے کس قسم کے آدمی کو قابل اعتبار سمجھا جائے' کس قسم کے آدمی سے مشورہ کیا جائے۔ یا اس طرح کہ جیسے یونان میں ہوتا تھا کہ ایک پورا شہر یا ملک اکٹھا ہو کر فیصلہ دیا کرتا تھا۔ آپ کے خیال میں مشورے کے لئے کس قسم کے لوگوں کا ہونا ضروری ہے؟

فاروق:- مزید!... آپ کی نظروں سے گذرا ہو گا کہ ان دنوں مجلس مشاورت کے بڑے چرچے ہیں جو ہمارے یہاں بن رہی ہے۔ اگر موجودہ صورت میں شوریٰ قائم کر دی گئی تو اس کے مشوروں کی قانونی (خصوصاً اسلامی حوالے سے) کیا حیثیت ہو گی؟

پرویز:- میرے نقطہ نگاہ سے وہ ہمارے ملک کے قوانین ہوں گے۔

فاروق :- اس میں مجلس مشاورت کی حیثیت کیا ہو گی؟

پرویز :- یہ تو نام رکھنے کی بات ہے۔ پہلے اس کا نام پارلیمنٹ تھا اب مجلس مشاورت رکھ لیں۔ صرف نام رکھنے سے تو مجلس مشاورت اسلامی نہیں ہو جاتی۔ اسلامی مملکت کی مجلس مشاورت ہی اسلامی ہو گی۔ ہمارے ہاں مصیبت یہ ہے کہ جس کا جی چاہے اٹھ کر کسی چیز کو اسلامی کہہ دے ایسا کہنے کے لئے اس کے پاس اتھارٹی کیا ہے' نہ اس کا ابھی تک تعین کیا گیا ہے نہ ہی کوئی اسے بتانے کی ضرورت سمجھتا ہے۔

تاجی :- کوئی مثال؟

اسلامی اور غیر اسلامی

پرویز :- مثلاً کل تک جو طب یونانی تھی آج وہ طب اسلامی ہے۔ ہمارے حکیم خود اسے طب یونانی کہتے تھے۔ اب اسی کو طب اسلامی کہنے لگ گئے ہیں۔ نہ کوئی پوچھتا ہے نہ بتاتا ہے کہ اس طب میں کیا تبدیلی ہوئی ہے جس سے وہ یونانی سے اسلامی ہو گئی ہے۔ ذرا اس بنیادی بات کو سمجھئے۔ جب آپ کہتے ہیں کہ یہ فیصلہ آئین کے خلاف ہے' یا آئین کے مطابق ہے تو ظاہر ہے کہ یہ بات مسلمہ ہوتی ہے کہ کوئی آئین موجود ہے جس کے حوالے سے آپ یہ کہتے ہیں کہ یہ اس کے مطابق ہے یا خلاف' اس کے لئے پہلے آئین کا موجود ہونا ضروری ہے۔ پھر اس آئین کے متعلق یہ بھی ضروری ہے کہ جو دو فریق اس کی بات کرتے ہیں وہ دونوں اس پر متفق ہوں اور اسے فائنل اتھارٹی مانتے ہوں۔ اس کے بعد یہ بات آگے چلائیں کہ متنازعہ فیہ معاملہ آئین کے مطابق ہے یا اس کے خلاف۔ اسی طرح جب آپ قانون کی بات کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ قوانین کا کوئی ضابطہ موجود ہے جس کی رو سے یہ طے ہو گا کہ وہ بات قانون کے مطابق ہے یا اس کے خلاف۔ لیکن اسلام کے ساتھ یہ ہو رہا ہے کہ "غریب کی جورو سب کی بھابی" جس کا جی چاہے جس شے کو چاہے اسلامی کہہ دے۔ کوئی نہیں پوچھتا کہ ایسا کہنے کے لئے اس کی اتھارٹی کیا ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ پہلے یہ طے کیا جائے کہ کسی بات کو اسلامی یا غیر اسلامی کہنے کے لئے اتھارٹی کیا ہے۔ اگر یہ بات طے ہو جائے تو سارے جھگڑے ختم ہو جائیں۔ میں کسی پر تنقید نہیں کرنا چاہتا لیکن اس نکتہ کی وضاحت کے لئے مثال کے طور پر ایک واقعہ سامنے لانا چاہتا ہوں۔ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ نظام مصطفیٰؐ کیا تھا ایک اسلامی ریاست کا قیام ہی تھا نا!۔ ان سب کا اس بات پر اتفاق تھا۔ یعنی یہ اسلامی ریاست یا نظام کے متعلق متفق تھے۔ انہی دنوں کی بات ہے کہ ہمارے قریب ہی چودھری ظہور الٰہی (مرحوم) کی کوٹھی میں ایک افطار کی دعوت تھی جس میں اتحاد کے نامور لیڈر موجود تھے۔ علماء حضرات بھی تھے۔ افطار کی میز پر تو وہ سب اکٹھے بیٹھے تھے لیکن جب مغرب کی نماز کے لئے اذان ہوئی تو مفتی محمود (مرحوم) اپنے ٹولے کو لے کر ایک طرف کو ہو گئے اور مولانا نورانی صاحب دوسری طرف۔

الطاف :- جماعت اسلامی والے بھی ایک طرف ہو گئے ہوں گے؟

پرویز :- جی نہیں اخبار میں ان دو ہی جماعتوں کا ذکر آیا تھا۔ ظاہر ہے کہ نظام مصطفیٰؐ میں بنیادی حیثیت نماز کو حاصل ہو گی لیکن یہ حضرات تھے کہ نظام مصطفیٰؐ کے قیام کے لئے تو متحد تھے لیکن عملاً اس نظام کی بنیادی شکل میں ایک دوسرے سے الگ۔ پھر یہ بھی سمجھ لیجئے کہ ان میں شیعہ سنی کا فرق نہ تھا۔ اہل فقہ اور اہل حدیث کا بھی فرق نہیں تھا۔ یہ دونوں اہل فقہ تھے۔ (اگرچہ فقہ بھی چار ہیں) مگر یہ دونوں حنفی فقہ کے ماننے والے تھے۔ آپ سوچئے کہ جو حضرات یہ نہ طے کر سکیں کہ نماز کی مصطفویؐ شکل کیسی ہے کیا وہ نظام مصطفیٰؐ کا کوئی متفق علیہ نقشہ قائم کر سکیں گے؟

فاروق :- آپ نے ایک ایسے معاشرے کا ذکر کیا ہے جس میں انسانیت کی تذلیل نہ ہو اور انسانیت میں مسلم و غیر مسلم کی تمیز بھی نہیں ہے تو آپ ایک ایسے معاشرے کے متعلق کیا کہیں گے جس میں نماز روزہ تو ہو لیکن اس کے ساتھ انسانیت کی

تذلیل بھی پورے زور و شور سے موجود ہے۔ ایسے معاشرے اور حکومت سے متعلق آپ کی رائے کیا ہے؟

نماز' روزہ اور اسلامی معاشرہ

پرویز :- نماز' روزہ فرائض ہیں جن کی ادائیگی اور احترام ضروری ہے۔ لیکن محض نماز روزے سے معاشرہ اسلامی نہیں ہو جاتا۔ اسے ایک مثال کی رو سے سمجھئے۔ فوجی سپاہی کے لئے پریڈ ضروری ہوتی ہے اور وردی بھی۔ یہاں تک کہ وردی میں جوتے کا تسمہ باندھنے کے لئے بھی ایک قاعدہ مقرر ہوتا ہے۔ ایک سپاہی کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ ان قواعد کا پابند رہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ وہ میدان جنگ میں جا کر دشمن کا مقابلہ کرتا ہے یا نہیں۔ اگر وہ سارا دن تسمہ ہی باندھتا رہے تو وہ سپاہی نہیں بن سکتا۔ ایک واقعہ آپ کو سنا دوں۔ ایک شخص حضرت عمرؓ کی عدالت میں پیش ہوا' انہوں نے اس سے کہا اپنا گواہ لاؤ۔ اس نے کہا کہ فلاں شخص میرا گواہ ہے۔ آپ نے پوچھا کہ اس کے متعلق تمہیں کچھ پتہ بھی ہے۔ کہا جی ہاں۔ فرمایا۔ تم کبھی اس کے پڑوس میں رہے ہو کہا نہیں۔ سفر میں کبھی اس کے ساتھ گئے ہو۔ کہا نہیں۔ کبھی اس کے ساتھ کچھ کاروبار کیا ہے۔ کہا نہیں۔ کہنے لگے تو پھر تم نے اسے مسجد میں اٹھتے بیٹھتے دیکھ لیا اور سمجھ لیا کہ وہ معتبر آدمی ہے۔ کہا جاؤ! کسی معتبر آدمی کو لاؤ۔ کسی کے مسلمان (یعنی مومن) ہونے کے لئے دیکھنا یہ ہو گا کہ اس کا کردار کس قسم کا ہے۔ انسانوں کے ساتھ اس کا معاملہ کس قسم کا ہے۔ قرآن مومن کی جتنی صفات بیان کرتا ہے' ان میں پہلی بات یہی ہے کہ تمہارا آپس کا معاملہ کیسا ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں قرآن کریم نے کہا ہے کہ بقا اسی عمل کے لئے ہے جو نوع انسان کے لئے منفعت بخش ہو۔ آپ نماز' روزہ کا کہہ رہے ہیں۔ اسلام میں سب سے اہم رکن حج ہے۔ حج کے متعلق مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ دنیا میں اعلان کرو اور لوگوں سے کہو کہ آؤ اور آکر اپنی آنکھوں سے دیکھو کہ ہم تمہاری منفعت کے لئے کیا کچھ کر رہے ہیں۔

معیار قومیت

الطاف :- آپ نے اپنے ارشادات میں علامہ اقبالؒ کا ذکر کیا ہے میں انہی کے حوالے سے یہ کہوں گا کہ جیسے انہوں نے ترکی اور ایران کی بات کرتے ہوئے کہا کہ ایسی ریاست جس میں اکثریت مسلمانوں کی ہو اس میں نیشنل ازم اور اسلام میں کوئی تضاد نہیں بنتا۔ آپ پاکستان کے بارے میں فرمایئے کہ یہاں جو صورت حال ہے اس میں اسلام کا نیشنلزم کے ساتھ کوئی تضاد بنتا ہے؟

پرویز :- نیشنلزم سے آپ کی مراد کیا ہے۔ کسی خاص نسل کے لوگ یا ایک مملکت کے اندر بسنے والے تمام لوگ؟

الطاف :- تمام لوگ (بلالحاظ مذہب)۔

پرویز :- یہی تو سارا جھگڑا تھا (انڈیا کے اندر) پاکستان کے مطالبے کی وجہ جواز یہی تھی کہ ہم اسے قومیت کی تشکیل کا معیار قرار نہیں دیتے تھے۔ مطالبہ پاکستان کے مخالف کہتے تھے کہ اس علاقے کے اندر بسنے والے تمام لوگ خواہ وہ ہندو ہیں' سکھ ہیں' عیسائی' پارسی یا مسلمان ایک قوم ہیں۔ ہم کہتے تھے کہ اسلام کے نزدیک قوم کا معیار یہ نہیں' ہمارے نزدیک قومیت کا معیار دین کا اشتراک ہے۔ ہم نے پاکستان اسی اصول پر بنایا تھا۔ پھر اس سوال کا مطلب کیا ہے کہ اسلام میں قومیت کا معیار کیا ہے۔ بہرحال قرآن کی رو سے معیار قومیت اشتراک دین ہے۔ جب مدینے میں اسلامی حکومت قائم ہوئی تھی تو مصر میں بسنے والا مسلمان بھی اس قوم کا فرد تھا اور ایران کے اندر کا مسلمان بھی اس قوم کا فرد تھا۔ مسلمان جہاں بھی تھا اس کا فرد تھا۔ لیکن مکے کے اندر رہنے والا ابوجہل اس کا فرد نہ تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس مملکت کے اندر بسنے والے شہری کی حیثیت سے اس کو کچھ حقوق دیئے گئے۔ مراعات دی گئیں لیکن وہ اس قوم کا فرد نہیں قرار پا سکتا تھا اس لئے مملکت کے اندر رہنے والے مسلم اور غیر مسلم صرف اس بنا پر کہ وہ وہاں رہتے ہیں اسلام کی رو سے ایک قوم نہیں قرار پا سکتے۔

ناجی :- اس کا مطلب ہے کہ جہاں جہاں بھی مسلمان بستا ہے' وہ مسلم قوم کا فرد ہے۔ اس حوالے سے تو ہم سب ایک قوم ہوئے۔ پھر جغرافیائی تقسیم کے کیا معنی ہیں؟ دوسرا سوال اس ضمن میں یہ کہ مولانا مودودی بھی نظریاتی سرحدوں پر زور دے کر جغرافیائی سرحدوں کی اہمیت کو نظر انداز کرتے تھے آپ کے نقطہ نظر میں اور مولانا مودودی کے نقطہ نظر میں کیا فرق ہوا؟

پرویز :- فرق یہ ہے کہ جن حالات میں ہم اس وقت بس رہے ہیں ان کے حوالے سے اس علاقے (خطے کی) حفاظت مقدم ہے۔ قرآن نے خود ہی کہا ہے کہ اپنی سرحدوں کی حفاظت کیا کرو' کیونکہ سرحدوں کے مٹ جانے سے مملکت کا الگ تشخص ہی مٹ جائے گا۔ ایک حد ہماری ہے' ایک انڈیا کی' اس کے مٹ جانے سے آپ مٹ جائیں گے۔

الطاف :- مگر دوسری طرف ایران ہے۔

پرویز :- اگر دونوں اسلامی ریاستیں ہوں گی تو یہ حد نہیں ہو گی' لیکن جو ریاست اسلامی نہیں اس کے ساتھ ہم حد بندی کریں گے تو ہمارا تشخص قائم رہے گا۔

ناجی :- اسلامی ریاست سے آپ کی مراد اس جگہ کے رہنے والے لوگ ہیں یا حکمران۔ اگر لوگ' تو پھر افغانستان بھی اسلامی ریاست ہے؟

پرویز :- میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ آج کوئی بھی ریاست اسلامی نہیں۔ یہ سب مسلمانوں کی مملکتیں ہیں اسلامی ریاست میں عوام اور حاکم کا بھی کوئی تصور نہیں ہوتا۔ وہاں حاکم بھی کوئی نہیں ہوتا' محکوم بھی کوئی نہیں ہوتا سب احکام خداوندی کے محکوم ہوتے ہیں۔

فاروق :- آپ نے فرمایا تھا کہ ایران اور عراق.....

پرویز :- میں نے آج کا ایران اور عراق نہیں کہا تھا میں نے شرط عائد کی تھی کہ اگر وہ دونوں اسلامی مملکتیں بن جائیں تو پھر ان میں حد نہیں رہے گی۔ اس صورت میں ایک ہی امت ہو گی اور اس کا ایک ہی ضابطہ۔ آپ انتظامی سہولتوں کی خاطر ان کا الگ الگ تشخص بھی قائم رکھ سکتے ہیں۔ جس طرح ایک ریاست کے اندر مختلف صوبے ہوتے ہیں وہ محض انتظامی سہولت ہو گی۔ ہو سکتا ہے ہم پاکستان اور ایران کی اسلامی مملکتوں کی یہی شکل رکھ لیں لیکن دونوں میں امت ایک ہو گی۔ پوری دنیا کے اندر بسنے والے مومن ایک ہوں گے۔ جب مقصد بھی ایک ہو گا (دین کا قیام) تو نظام بھی سب کا ایک ہی ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ مقامی حالات کے مطابق ان کے نظم و نسق میں کچھ فرق ہو لیکن ان سب کا نصب العین واحد ہو گا۔ قرآن کی فرماں روائی۔

فنڈامینٹل ازم

ناجی :- آپ نے امت واحدہ کے تصور کا ذکر کیا اس سلسلے میں ایک تحریک دنیا بھر میں چل رہی ہے اسے اسلامک فنڈامینٹل ازم کہا جاتا ہے' یا احیائے اسلام کی تحریک۔ اس وقت اخوان المسلمون ہیں' انڈونیشیا میں مسجومی پارٹی ہے' سعودی عرب میں بھی جن لوگوں نے کارروائی کی' انہوں نے بھی بنیاد پرستی کا نام لیا۔ ہمارے یہاں بھی اسی طرح کی تحریک چل رہی ہے۔ ایران میں بھی چل رہی ہے اور دوسرے مسلم ممالک میں بھی اس کا پتہ چلتا ہے۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ یہ تحریک احیائے اسلام (دین) کے فروغ کا کوئی سلسلہ ہے۔ مزید یہ کہ مولانا مودودی نے بھی ایک جگہ فرمایا ہے کہ اصل چیز نظریاتی سرحدیں ہوتی ہیں جغرافیائی سرحدیں نہیں۔ آپ نے بھی یہ فرما دیا کہ اسلامی مملکت کی کوئی چیز اس وقت موجود نہیں تو ظاہر ہوا کہ اسلامی مملکت کی سرحدیں بھی موجود نہیں۔ اس صورت میں سرحدوں کا تصور کیا رہ جاتا ہے؟ آپ نے تو اسلامی مملکت کے وجود کو تسلیم نہ کر کے جغرافیائی سرحدوں کا مسئلہ ہی ختم کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آپ قرآن کے طالب علم ہیں' مولانا مودودی نے بھی ایک کتاب تفہیم القرآن لکھی ہے اس میں اسلامی مملکت کے کیا خط و خال ملتے ہیں۔ کیا وہ آپ کی اسلامی مملکت سے ملتی ہے؟

پرویز :- پہلے تو یہ عرض کروں گا کہ مودودی صاحب نے

جغرافیائی سرحدوں کی اہمیت کو کم کرنے کے متعلق جو کچھ کہا تھا وہ موجودہ حالات میں تباہی کی طرف جانے والی بات ہے۔ اس سے تو مملکت پاکستان کا وجود ہی ختم ہو جائے گا۔ آج کے دور میں جغرافیائی سرحدوں سے ہی مملکت کا تشخص ابھرتا ہے اس لئے ان کا قائم رکھنا بے حد ضروری ہے اور قرآن نے انہی حالات میں کہا تھا "اپنی سرحدوں کی حفاظت کرو"۔ بھارت اور ہمارے درمیان جغرافیائی سرحد کو قائم رکھنا بے حد ضروری ہے۔ ہمارے اور افغانستان کے درمیان بھی اسی طرح کی جغرافیائی سرحد ہے۔ اگر اسلامی مملکت کی بات کریں تو ہم اور بھارت میں تو جغرافیائی سرحد برقرار رہے گی لیکن ایران یا افغانستان میں اگر اسلامی مملکتیں ہوں گی تو سرحدوں کی ضرورت نہیں رہے گی۔ میں نے مسلمانوں کی موجودہ مملکتوں کو غیر اسلامی کہہ کر جغرافیائی سرحدوں کو ختم نہیں کر دیا ان کی اہمیت کو اور بڑھا دیا ہے۔

دوسری بات آپ نے فنڈامینٹل ازم کی کہی ہے یہ ایک بڑی گہری سازش ہے۔ اقبالؒ نے بہت پہلے اس خطرہ کی نشاندہی کی تھی۔ قرآن یا اسلام کی رو سے اسلامی مملکت وہ تھی جو نبی اکرم ﷺ اور خلافت راشدہ کے ادوار میں قائم ہوئی تھی۔ اس کے بعد خلافت ملوکیت میں بدل گئی اور عباسیوں کے دور میں یہ پروان چڑھی کیونکہ اس دور میں تاریخ، روایات، فقہی قوانین، مختلف عقائد و نظریات مرتب ہوئے اور وہ تین عناصر جو نوع انسانی کے لئے لعنت ہیں اور جنہیں مٹانے کے لئے اسلام آیا تھا، یعنی شخصی حکومتیں، مذہبی پیشوائیت اور نظام سرمایہ داری کی بنیادیں مستحکم ہوئیں۔ اقبالؒ اس اسلام کو عجمی اسلام کہہ کر..... پکارتا ہے اور یہی وہ اسلام ہے جو مسلمانوں کے ہاں رائج چلا آرہا ہے۔ اب زمانے کے تقاضوں سے یہ خلاف انسانیت عناصر آہستہ آہستہ مٹ رہے ہیں۔ علاوہ ازیں کچھ عرصہ پہلے مسلمانوں کے بعض ممالک میں ان کے خلاف آوازیں بھی بلند ہونا شروع ہوئیں اور وہاں کے مفکرین نے قرآنی نظام کے قیام کی دعوت بھی دی۔ ظاہر ہے کہ قرآنی نظام، شخصی حکومتوں، تھیاکریسی اور نظام سرمایہ داری کی حامی مملکتوں کے لئے موت کا پیغام ہے۔ ان میں مسلمانوں کی شخصی حکومتیں اور اقوام مغرب سب شامل ہیں۔ انہوں نے باہمی سمجھوتے سے یہ طے کیا کہ قرآنی نظام قائم نہ ہونے پائے۔ پاکستان کا مطالبہ قرآنی نظام کے قائم کرنے ہی کی طرف دعوت تھی اس لئے انگریز، ہندو اور ہمارے علماء کی طرف سے (باستثناء چند) اس کی بہت مخالفت ہوئی۔ ان کی مخالفت کی بنیادی وجہ یہی تھی۔ 1941ء میں لدھیانہ میں ایک کل ہندوستان ہندو کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس کے صدر مشہور کانگریسی لیڈر مسٹر منشی تھے۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ پاکستان کا مطلب کیا ہے؟ نہیں معلوم تو سن لیجئے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان ایک ایسی مملکت قائم کرنا چاہتے ہیں جس میں قرآن کی حکمرانی ہو گی۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ میں پوچھتا ہوں نیشنلسٹ علماء سے کہ کیا آپ نے عوام کو اس خطرہ سے آگاہ کیا ہے؟ سامعین میں ایک مفتی صاحب نے پکار کر کہا کہ ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ اس مخالفت کی آگ سلگتی چلی آرہی تھی لیکن پچھلے دنوں یہ خاصی تیزی سے بھڑک اٹھی۔ اس مخالفت کا طریق کار یہ سوچا گیا کہ مسلمانوں میں اس خیال کو عام کیا جائے کہ حقیقی اور بنیادی اسلام وہی ہے جو عباسیوں کے زمانے میں ایجاد ہوا تھا۔ اس تحریک کا نام فنڈامینٹل ازم ہے۔

ہمارے ہاں کی شخصی حکومتیں مذہبی پیشوائیت اور اقوام مغرب سب اس کی کامیابی کے لئے متحد اور متفق ہیں۔ آپ نے کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ ہمارے علماء حضرات جن کی ابھی کل تک یہ حالت تھی کہ ان کے پاس ایک شہر سے دوسرے شہر تک جانے کے لئے بھی کرایہ تک نہیں ہوتا تھا اب ہوائی جہازوں پر ساری دنیا کے چکر لگا رہے ہیں اور یورپ اور امریکہ کے اعلیٰ ترین ہوٹلوں میں قیام کرتے ہیں۔ ان ممالک میں "اسلامک سنٹر" کھلے ہوئے ہیں جہاں اس عجمی اسلام کے فروغ کے لئے سیلاب کی طرح روپیہ بہایا جاتا ہے کوئی

...پوچھتا کہ یہ روپیہ کہاں سے آتا ہے۔
...مہ اقبالؒ کی نگاہ دور رس نے بہت عرصہ پہلے اس خطرہ ...پ کر قوم کو اس سے متنبہ کیا تھا۔ ان کی آخری تصنیف ...رمغان حجاز" میں ایک نظم ہے۔ جس کا عنوان ہے۔ "ابلیس کی مجلس شوریٰ" میرے خیال میں ان کے سارے کلام میں ... جیسی موثر اور بلیغ نظم کوئی نہیں۔ اس میں انہوں نے ...یس کی زبان سے کہلایا ہے کہ اس امت کو قرآن سے دور ...کھنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان میں عجمی اسلام کو عام کر دیا جائے ...س کے پروگرام کے مقطع کا شعر ہے۔

مست رکھو ذکر و فکر صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاج خانقاہی میں اسے

ان مختصر... اشارات سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ یہ سازش کیا ہے اور اس میں کون کون شریک ہے۔ علامہ اقبالؒ کے بعد میری ساری عمر اس سازش کو بے نقاب کرنے میں گذری ہے اور یہ اسی کی پاداش میں ہے کہ ہمارا مذہب پرست طبقہ میری اس قدر مخالفت کرتا ہے اور میرے خلاف جھوٹے الزامات تراش کر کفر کے فتوے صادر کرتا ہے۔

الطاف :- آپ نے پہلے یہ فرمایا کہ نظریاتی سرحدیں اہم ہیں اور جغرافیائی غیر اہم' پھر آپ اس سے اختلاف رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ موجودہ صورت میں جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت بھی ضروری ہے تو فرمایئے کہ موجودہ صورت میں جب کہ فی الحال اسلامی ریاست کا قیام عمل میں نہیں آیا اس میں زبان' نسل یا طبقاتی تفریق کی رو سے قومیت کا تصور قائم کر لیا جائے تو اس پر کیا اعتراض ہو گا؟

پرویز :- معاف فرمایئے ! میں نے کہا یہ تھا کہ ملحقہ اسلامی مملکتوں میں جغرافیائی سرحدوں کی ضرورت نہیں رہے گی لیکن جب تک یہ مملکتیں اسلامی نہیں ہو جاتیں اس وقت تک جغرافیائی سرحدوں کی اہمیت بہت بڑی ہے اور ان کی حفاظت بہت ضروری۔ باقی رہی قومیت کے معیار میں تبدیلی تو ہمارے ہاں قومیت کے قرآنی معیار برقرار رکھنے کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ ہم نے ایک جداگانہ مملکت کا مطالبہ اس بناء پر کیا تھا کہ اسلام کی رو سے قومیت اشتراک دین کی بنا پر وجود میں آتی ہے۔ اگر ہم اس معیار سے انکار کر دیں گے تو ہماری مملکت کے جداگانہ وجود کی وجہ جواز کوئی نہیں رہے گی اور یہ مطالبہ اٹھ کھڑا ہو گا کہ پاکستان کو ہندوستان سے الگ رکھنے کی ضرورت کیا ہے؟ ہر چند اس وقت ہماری مملکت اسلامی نہیں لیکن اس کے باوجود اس خطہ زمین کی حفاظت ضروری ہے کہ اس سے قرآنی حکومت کے قیام کا امکان تو ہے اگر یہ خطہ زمین ہی نہ رہا تو قرآنی حکومت کو قائم کہاں کیا جائے گا؟

قائداعظمؒ کی اگست 47ء کی تقریر

ناجی :- قائداعظمؒ نے اگست 47ء کو اسمبلی میں جو تقریر کی تھی اس سے یہ تاثر لیا جاتا ہے کہ وہ سیکولرازم کے حامی تھے۔ مرحوم جسٹس منیر نے بھی اپنی کتاب میں یہی کہا ہے اس کے متعلق آپ کیا کہیں گے؟

الطاف :- میں مزید عرض کروں گا کہ اسلام کا جو تصور آپ نے پیش کیا ہے' اس کی رو سے تسخیر کائنات مسلمان کا اولین فریضہ ہے اس سے تو خود اسلام ہی سیکولر نظر آتا ہے اس کے متعلق آپ کیا کہیں گے؟

پرویز :- میں پہلے الطاف صاحب کے سوال کی طرف آتا ہوں۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا تھا ہمارے ہاں بنیادی خرابی یہ ہے کہ ہم جو اصطلاحات استعمال کرتے ہیں' ان کے دائرہ کار کا تعین نہیں کرتے۔ پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ سیکولرازم کہتے کسے ہیں۔ مغربی نظام سیاست کی بنیاد اس نظریئے پر ہے کہ قوم اپنے لئے جو فیصلے کر لے وہ قول فیصل ہوتے ہیں ان پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جا سکتی۔ یعنی ان کے نزدیک قانون سازی کا بلا حدود وقیود اختیار قوم کو حاصل ہوتا ہے اسے سیکولرازم کہتے ہیں۔ اس کے برعکس اسلام کا اصول یہ ہے کہ قوم بلکہ پوری کی پوری عالم گیر انسانیت بھی بلا حدود و قیود فیصلے کرنے کی مجاز نہیں۔ وہ ان حدود کے اندر رہتے ہوئے ہی فیصلے کر

سکتی ہے جو خدا نے متعین کئے ہیں اور انہیں کوئی بدل نہیں سکتا۔ یہ ہے فرق اسلام اور سیکولرازم میں' میں نے جب کہا تھا کہ تسخیر کائنات مسلمانوں کا اولین فریضہ ہے تو یہاں تک بات سیکولر تھی کیونکہ ایسا مسلم اور غیر مسلم سب کر سکتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی میں نے یہ بھی کہا تھا کہ مسلمان فطرت کی قوتوں کو حدود خداوندی کے اندر رہتے ہوئے صرف کریں گے۔ اس سے سیکولرازم اسلامی ہو جاتا ہے۔ اب رہی قائداعظمؒ کی 11 اگست 47ء کی تقریر تو اس کے متعلق میں بڑی تفصیل سے لکھتا چلا آرہا ہوں اور مرحوم جسٹس منیر کے اعتراضات کا میں نے تفصیلی جواب بھی دیا تھا جو آپ کو ادارہ طلوع اسلام کی طرف سے شائع کردہ پمفلٹ۔۔۔ "حسن کردار کا نقش تابندہ"۔۔۔ میں ملے گا۔ سردست میں اتنا کہنے پر اکتفا کروں گا کہ اس کا جو جواب ایک غیر مسلم اہل فکر جو شواہ فضل الدین نے دیا تھا وہ بڑا مسکت تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ اس تقریر سے غیر مسلم یہ خیال نہ کر بیٹھیں کہ قائداعظمؒ سیکولر سٹیٹ قائم کرنا چاہتے تھے وہ خالص اسلامی سٹیٹ قائم کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے جو کچھ کہا تھا اس کا ملخص یہ تھا کہ یہاں جو حقوق اور مراعات مملکت کے شہری ہونے کی بناء پر دیئے جائیں گے ان میں مسلم اور غیر مسلم میں فرق نہیں کیا جائے گا۔ اس اعتبار سے مسلم اور غیر مسلم ایک ہی صف میں کھڑے ہوں گے۔

فاروق :- آپ نے فرمایا ہے کہ سیکولرازم کے حامی غیر متبدل قوانین کے قائل نہیں لیکن وہ قوانین فطرت کو مانتے ہیں جو غیر متبدل ہیں پھر اس میں اور قرآنی نظریئے میں کیا فرق ہے؟

پرویز :- قوانین فطرت کا تعلق طبیعی کائنات اور خود انسان کی طبیعی زندگی سے ہے۔ اس میں کافر اور مومن' تو ایک طرف' انسان اور حیوان میں بھی فرق نہیں۔ لیکن جن قوانین خداوندی کا اسلام ذکر کرتا ہے ان کا تعلق انسانی زندگی کی اقدار سے ہے۔ حیوانات کے ہاں تو اقدار کا تصور ہی نہیں۔ سیکولرازم کے حامی بھی اقدار کے قائل نہیں۔ اس اعتبار سے قرآن انہیں حیوانی زندگی کی سطح پر ہی رکھتا ہے۔

مرحوم مودودی صاحب

الطاف :- اسلامی ریاست کے تصور میں آپ کے اور مودودی صاحب کے موقف میں کیا فرق ہے؟

پرویز :- بنیادی فرق! مودودی صاحب' اس اسلام کا احیاء چاہتے تھے جسے میں نے عجمی اسلام سے تعبیر کیا ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ یہ تجویز انہیں کی پیش کردہ تھی کہ پاکستان میں حنفی فقہ نافذ کر دی جائے۔ یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ وہ حنفی فقہ کو منجمد شاستر قرار دیتے تھے اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی تجویز کر دیا کہ پاکستان میں اس فقہ کو قوانین مملکت کی حیثیت سے نافذ کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ منجمد شاستر تو اس قابل ہی نہیں ہوتا کہ وہ نافذ العمل ہو سکے۔ حنفی فقہ کے جو چند قوانین یہاں نافذ کئے گئے ہیں انکے متعلق خود صدر پاکستان یہ اعتراف کر چکے ہیں کہ ان کا عمل میں لایا جانا ناممکن ہے۔ آپ نے کبھی سوچا کہ مودودی صاحب نے یہ جانتے ہوئے کہ حنفی فقہ اس دور میں ناقابل عمل ہے اسے مملکت کے قوانین بنانے کی تجویز کیوں کی تھی؟ وہ آخر تک مطالبہ پاکستان کی شدید مخالفت کرتے رہے۔ حتیٰ کہ اپریل 47ء میں جب کہ پاکستان کا تصور ایک عملی شکل اختیار کر چکا تھا انہوں نے مسلمانوں کے اقلیتی صوبوں کا دورہ شروع کیا اور ان سے کہا کہ تم جانتے ہو کہ تقسیم ہند سے اکثریت والوں کو تو ایک مملکت مل جائے گی اور تمہارا یہاں حشر کیا ہو گا۔ مقصد یہ تھا کہ آخری حربہ کے طور پر ان لوگوں کو مطالبہ پاکستان کی مخالفت پر اکسایا جائے۔ وہاں تو یہ ناکام رہ گئے یہاں انہوں نے ایسے قوانین نافذ کرنے کی تجویز کر دی جن کے متعلق وہ جانتے تھے کہ وہ ناممکن العمل ہیں یہ اس لئے کیا کہ ہماری نئی نسل اس نتیجے پر پہنچ جائے کہ اسلام ایک چلا ہوا کارتوس ہے اور اس طرح نہ صرف وہ اسلام سے برگشتہ ہو جائے بلکہ یہ خیال بھی ان کے دل میں ابھرے کہ پاکستان کے جداگانہ مملکت رکھنے سے حاصل کیا ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہ غیر مسلم اقوام کے دل میں جو اسلام کا بھرم چلا آرہا ہے وہ بھی ختم ہو جائے۔

اسلامی قوانین

...:- عموماً وکلاء یہ کہتے ہیں کہ اسلامی قوانین کی کوئی چیز ... میں یہ عرب روایات تھیں جو دو ایک ترامیم کے ... کے بعد اپنا لی گئیں۔

...:- جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے اسلامی مملکت اپنے حالات کے مطابق جزئی قوانین خود وضع کر سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس زمانے کی اسلامی مملکت نے کچھ ایسے قوانین بھی اپنا لئے ہوں جو عربوں میں پہلے سے رائج تھے اور وہ قرآن کی حدود سے ٹکراتے نہیں تھے۔

فاروق :- اس کا مطلب یہ ہوا کہ عرب کی روایات کا اپنانا ضروری نہیں۔

پرویز :- عرب کی روایات ہی نہیں کسی زمانے کی روایات بھی ہوں، وہ غیر متبدل نہیں ہو سکتیں اس لئے اسلامی مملکت پر یہ لازم نہیں آتا کہ وہ انہیں بالضرور اپنائے۔ ان میں سے جسے وہ اپنے حالات کے مطابق سمجھے اپنائے۔ سوال صرف یہ ہے کہ وہ قرآن کی حدود سے ٹکرائیں نہیں۔ یہ ہے میری بصیرت قرآنی کی رو سے اسلامی ریاست کا تصور۔ آپ احباب کا شکریہ کہ آپ نے گہری توجہ سے میری معروضات کو در خور اعتناء سمجھا۔

اپیل

اگرچہ کراچی شہر کو تحریک طلوع اسلام کا اولین گہوارہ ہونے کا شرف حاصل ہے اور اہالیان کراچی درس قرآن کی روایت کو جس کی طرح علامہ پرویزؒ نے ڈالی تھی اسی طرح قائم رکھے ہوئے ہیں لیکن افسوس کہ ایک کروڑ آبادی والے اس شہر میں بزم طلوع اسلام کا کوئی مستقل آفس اب تک قائم نہیں کیا جا سکا۔ جس کے باعث بزم کو مسلسل نقل مکانیوں کا سامنا ہے۔ چونکہ اس خانہ بدوشی کے سبب تحریک کے مقصد پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں اس لئے بزم طلوع اسلام کراچی (صدر) نے ادارہ طلوع اسلام کے نام پر شاہراہ قائداعظم پر واقع ۷۸۰ مربع فٹ کا ایک تیار ہال ۱۳۰۰ روپے فی مربع فٹ کے حساب سے خریدنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ دامن قرآن کے وابستگان اور فروغ فکر قرآنی کے خواہان حضرات سے استدعا ہے کہ وہ اس منصوبے کی تکمیل میں حتی المقدور مالی معاونت فرمائیں۔ اکاؤنٹ نمبر درج ذیل ہے۔

۳۰۸۷۔۷ نیشنل بنک آف پاکستان، مین مارکیٹ، گلبرگ ۲، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروفیسر مرزا محمد منور (مرحوم)

تحریک پاکستان اور انگریزی اقتدار کا معاندانہ رویہ

کیا بنائے پاکستان انگریزی استعمار کے مفاد پر استوار ہے؟:- میرے ایک کرم فرما رفیق کو عرب ممالک میں جانے کا موقع ملتا رہتا ہے' باہر سے آنے والے عرب صاحبان یہاں بھی ان سے ملاقات کرتے رہتے ہیں' میرے ان رفیق کا ارشاد یہ ہے کہ عرب ممالک کے اچھے خاصے پڑھے لکھے عزیز اور بزرگ بھی تاحال اس وہم سے نہیں نکل سکے کہ پاکستان انگریز نے اپنی استعماری اغراض کے پیش نظر خلق کیا تھا۔ انہیں انگریزی کہاوت سنا دی جاتی ہے "تقسیم کرو اور حاکم رہو"۔ یا یوں کہہ لو "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" عربوں کو یہ باور کرا دیا گیا ہے کہ انگریزوں نے اپنے مخصوص استعماری مقاصد حاصل کرنے کی خاطر اور ہندوستان کی اجتماعی قوت کو ضعف پہنچانے کی نیت سے برعظیم کو دو حصوں میں بانٹ دیا' یہ دلیل جب فلسطین کی تقسیم کے مماثل قرار دی جاتی ہے تو عرب صاحبان جو تقسیم فلسطین کا صدمہ جھیلے ہوئے ہیں' فوراً متاثر ہوتے ہیں اور پاکستان کے خلاف کیا جانے والا یہ پروپیگنڈا دلوں میں اتر جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ پروپیگنڈا بھارتی ایجنسیاں کرتی ہیں۔

میرے ان رفیق محترم نے بتایا کہ بارہا عرب دوستوں کی زبانی یہ سننا پڑتا ہے کہ ٹھیک ہے پاکستان بن گیا' اب وہ ایک اسلامی ملک ہے اور آپ پاکستانی ہمارے بھائی ہیں مگر بنائے پاکستان تو بہرحال مغربی استعمار کے مفاد پر استوار ہے' بھارت کا پروپیگنڈا بڑا تیز ہے' عداوت بھی ہو اور خوف خدا بھی نہ ہو تو جھوٹ گھڑنے میں کوتاہی کیوں کی جائے۔

ہمارے سفیر نظریہ پاکستان سے آشنا نہیں:- بھارت نے اپنے یہاں کے ہندوؤں کو بھی اور مسلمانوں کو بھی کثیر تعداد میں زبان عربی کی تعلیم دلائی ہے اور یہ تعلیم عرب ممالک میں دلائی ہے' ہم اس امر میں کوتاہ کار رہے' ہماری بہت تھوڑی سفارتیں ایسی ہیں جہاں بیدار دل' فرض شناس' مخلص پاکستانی متعین ہیں اور وہ افراد اور بھی کم ہیں جو عربی زبان میں گفتگو کرنے پر قادر ہوں اور وہ بیچارے اپنی سی کوشش کرتے بھی رہتے ہیں کہ دشمن کے پھیلائے ہوئے زہر کا تدارک ہوتا رہے۔ تاہم حق یہ ہے کہ ہم بے نیاز اور صاحب بہادر قسم کے افراد باہر بھیج دیتے ہیں جن کی رگوں میں پاکستان کی محبت راسخ نہیں ہوتی یا وہ سرے سے تحریک پاکستان ہی کے دل سے حامی نہیں ہوتے چنانچہ وہ عربوں کو ظہور پاکسان کا پس منظر سمجھا نہیں سکتے۔ اگر وہ خود اس تحریک کا بھرپور مطالعہ نہ کریں تو دوسروں کو کیا سمجھائیں؟

غیر مسلموں کی اسلام دشمنی کو لازماً پیش نظر رکھیں:- ایسی صورت حال سے کبھی کبھی میں بھی دوچار ہوتا ہوں۔ میں عرب اور غیر عرب سے عرض کرتا ہوں کہ حضرت پرانی کہاوتیں اور مقولے دانش کی پڑیا ہوتے ہیں مگر یہ پڑیا غلط بھی استعمال ہو جاتی ہے' تشبیہی مغالطے پیدا کر کے اپنے پسندیدہ لیکن الٹ اور معکوس معنی بھی اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ میرا جوابی سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ بتایئے انگریز' امریکہ' فرانس' اٹلی' روس وغیرہ میں سے کوئی واقعی اسلام کا حامی بھی ہے؟ جواب ملتا ہے نہیں' لہٰذا میں عرض کرتا ہوں کہ آپ مقولے اور کہاوت کو نہ دیکھیں' غیر مسلموں کی اسلام دشمنی کو پیش نظر رکھیں' انگریز نے فلسطین کو تقسیم کیا تاکہ اہل اسلام کو نقصان پہنچے اور یہود کو فائدہ حاصل ہو مگر پاکستان کے ظہور میں

ے تو ایک بڑا اسلامی ملک وجود میں آتا تھا' اہل اسلام کو پہنچتا تھا اور ہنود کہ ہم قافیہ یہود ہیں' نقصان سے دوچار ہوتے تھے لیکن انگریز قوم' ان کے سیاسی زعما اور ارکان حکومت جو صلیبیوں کے وارث ہیں' یہ پسند فرما سکتے تھے کہ ایک مسلمان سلطنت وجود میں آ جائے' اتنی بڑی مملکت.....! سیدھی سی بات ہے کہ عرب میں انگریز تقسیم کا حامی تھا' مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کے لئے' جبکہ برعظیم پاک و ہند میں وہ تقسیم کا شدید مخالف تھا' مسلمانوں کو ایک آزاد مملکت کے حصول سے محروم رکھنے کے لئے۔ چنانچہ انگریزوں نے ہندوؤں کے دکیل بن کے برعظیم پاک و ہند کے ایک ناقابل تقسیم وحدت ہونے کا ڈھنڈورا پیٹا۔

مونٹ بیٹن ہندو کے مفاد کی نگہبانی کے لئے وائسرائے بنائے گئے :- جب قرارداد لاہور منظور ہوئی تو وہ زمانہ لارڈ لنلتھگو کی وائسرائی کا تھا۔ تحریک پاکستان نے رفتہ رفتہ زور پکڑا۔ 1944ء میں یہ تحریک ایک طوفان کا سا روپ اختیار کر گئی۔ لارڈ لنلتھگو 1943ء کے ابتدائی مہینوں میں واپس چلے گئے۔ انہوں نے دسمبر 1942ء میں کلکتہ کے چیمبر آف کامرس میں خطاب کرتے ہوئے مطالبہ پاکستان کی مخالفت جغرافیائی بنیاد پر کی۔ فرمایا یہ کہ ہندوستان ایک طبعی اور قدرتی وحدت ہے جو ناقابل تقسیم ہے' جس پر قائداعظم نے جوابی بیان میں وائسرائے کو ان کی حکمت و دانش کی طغیانی پر زوروں کی داد دی اور طبیعت صاف کر دی۔ لنلتھگو نے سبکدوشی کے بعد بھی اپنے بعض بیانات میں ہندوستان کی تقسیم کے مقابل وحدت پر زور دیا' ان بیانات و مکتوبات وغیرہ پر مبنی ایک کتاب A Viceroy at Bay کے عنوان سے ان کے بیٹے نے مرتب کر دی تھی۔ اس کتاب میں لارڈ موصوف کے ملفوظات صاف بتاتے ہیں کہ وہ تقسیم ہند لہٰذا ظہور پاکستان کے مخالف تھے۔

لارڈ لنلتھگو کے بعد لارڈ ویول آئے۔ ان کی ڈائری پنڈرل مون نے جو Divide and Quit کے مصنف ہیں A Viceroy's Journal کے نام سے منضبط کر کے شائع کر دی ہے۔ اس ڈائری میں جہاں تک ہندوستان کے سیاسی امور کا تعلق ہے' وائسرائے کی ترجیح ہندوستان کی وحدت ہے۔ تقسیم کو آخری اور محض آخری طریقہ کار بتایا گیا۔ یہی باعث ہے کہ لارڈ ویول کا سارا زور کابینہ مشن کی تجاویز کو نافذ کرنے پر صرف ہوا تاکہ کم از کم دس برس تک تو تقسیم عمل میں نہ آئے' بعد میں دیکھا جائے گا۔ لارڈ ویول مارچ 1947ء میں اچانک سبکدوش کر دیے گئے اور ان کی جگہ لارڈ مونٹ بیٹن آئے' ویول کو کانگریس نے سبکدوش کرایا تھا۔ لارڈ مونٹ بیٹن کو نہرو جی کی منشاء کے مطابق ہندوستان بھیجا گیا تھا۔ سدھیر گھوش نے اپنی کتاب Gandi's Emissary (گاندھی کا ایلچی) میں یہ داستان راز بیان کر دی ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ دسمبر 1946ء میں' جب قائداعظم' نہرو' بلدیو سنگھ لندن گئے تھے اور مسٹر اٹیلی سے ملاقات کی تھی تاکہ ہندوستان کے سیاسی مسئلے کا کوئی معقول حل نکالا جا سکے تو وہاں ایک مختصر سے ہوٹل میں مسٹر کرپس نے مونٹ بیٹن کے ساتھ نہرو کی ملاقات کرائی تھی اور نہرو جی اور پنڈت مونٹ بیٹن جی میں بہت کچھ طے پا گیا تھا۔ سدھیر گھوش کے بقول مسٹر کرپس نے قبل ازاں یہ پیشکش کانگریس کو بھیجی تھی کہ اگر کانگریسی اکابر مناسب جانیں تو وہ خود یعنی کرپس وائسرائے بن کر ہندوستان آجائیں۔ مگر کانگریسی بھدر پوشوں اور گاندھی جی کی طرح حق جو درویشوں نے کہلا بھیجا کہ آپ کا کانگریس سے خلوص اہل سیاست کو معلوم ہے' کوئی ایسا آدمی چاہئے جس کا کانگریس کے ساتھ ہمدردانہ لگاؤ ابھی تک دوسروں کے علم میں نہ ہو۔ چنانچہ مونٹ بیٹن کو چنا گیا۔ نہرو جی سے ملوایا گیا اور نہرو جی نے جو کچھ ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ طے کرنا تھا' کر لیا۔

جب پنڈت مونٹ بیٹن ہندوستان میں آئے یعنی مارچ 1947ء میں تو انہوں نے از سر نو کابینہ مشن تجاویز کو نافذ کرنے کی نیت سے سیاسی زعما کے ساتھ ملاقاتیں شروع کر دیں لیکن یہاں مسلمانوں کا عزم بالجزم دیکھا کہ دس کروڑ کی قوم قائداعظم کے جھنڈے تلے یک زبان و یک جان ہے اور اب پاکستان کے بغیر کوئی بات سننے پر آمادہ نہیں' پنڈت مونٹ بیٹن اور ان کی محترمہ بیگم صاحبہ کو صوبہ سرحد کے دورے نے خاص طور پر متاثر کیا۔ پشاور میں مونٹ بیٹن نے اپنی آنکھوں سے ہوائی اڈے پر بھی مسلمانوں کا جلوس سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مارتا ہوا

دیکھا اور پھر بالاحصار کے گرد تو حشر ہی بپا ہو گیا تھا۔

کیمبل جانسن کے بقول جو پنڈت مونٹ بیٹن کے پریس سیکرٹری تھے' وائسرائے نے اس روز تقسیم ملک کو ایک متبادل حل کے طور پر اور بھی زیادہ لائق توجہ جاننا شروع کیا۔ لیڈی مونٹ بیٹن کو خاص طور پر پشاور اور گردونواح سے تشریف لانے والی ہماری بہنوں' ماؤں اور بیٹیوں کے وسیع ہجوم نے بہت متاثر کیا۔ کالے برقعوں کا ایک سیل بے پناہ تھا۔ ہمارے محترم ولی خان اور ان کے ابا جان کے صوبے نے فیصلہ تو اسی روز کر دیا تھا۔ اگر اس روز صوبہ سرحد کا رویہ اکھنڈ بھارت کے حق میں بالوضاحت ثابت ہو جاتا تو شاید مونٹ بیٹن کو فیصلہ کرتے ہوئے مزید وقت درکار ہوتا؟ لطف یہ ہے کہ حکومت وہاں سرحدی گاندھی کے بڑے بھائی ڈاکٹر خان کی تھی۔ اگر ولی خان کے دل میں واقعی جمہوریت کی کوئی قدر تھی تو اسی روز مان جانا چاہئے تھا کہ صوبہ سرحد سربسر طلب گار پاکستان ہے۔ اس روز سے تقریباً" پانچ ماہ قبل پٹھان قبائل نے دورے پر آنے والے ڈاکٹر خان اور پنڈت نہرو پر خیر مقدمی پتھر نچھاور کیے تھے۔ گویا قبائل میں ریفرنڈم انہیں دنوں ہو گیا۔ مگر یہاں جمہوریت پرستوں کو جمہوریت فقط وہ پسند ہے جس میں سربراہی یا اعتبار و وقار دوسروں کے بجائے خود ان کو میسر ہو' ورنہ نہیں۔

مونٹ بیٹن کی شرم ناک بددیانتی :- بہرحال خود پنڈت مونٹ بیٹن کو پاکستان کے لفظ سے چڑ تھی۔ وہ پاکستان کے مطالبے کو پاگل پن قرار دیتے تھے (Mad Pakistan)۔ مونٹ بیٹن پر کوئی کتاب ایسی نہیں جس میں پاکستان کو انہی عزت مآب کلمات Mad Pakistan سے یاد نہ کیا گیا ہو اور پھر یہی پنڈت مونٹ بیٹن تھے جنہوں نے پاکستان کی سرحدیں طے کراتے وقت اندھا دھند پنڈتانہ کارروائی کی۔ ہمارے کون کون سے علاقے شرم ناک بددیانتی سے بھارت کو نہیں دے دیے گئے۔

لارڈ برڈووڈ (Lord Birdwood) اپنی کتاب Kashmir & Two Nations میں لکھتے ہیں کہ گورداسپور کا ضلع صریحاً" بے انصافی کے ساتھ ہندوستان کے حوالے کیا گیا تاکہ کشمیر کا الحاق بھارت کے ساتھ ممکن بنایا جا سکے اور اس طرح بھارت کو روس تک پہنچا دیا جائے۔ یہ الگ بات ہے شمالی علاقوں میں تعینات غیرت مند اہل ایمان اور اس علاقے کے باحمیت مسلمانوں اور پونچھ' میرپور' مظفر آباد اور راولہ کوٹ کے مجاہدین نے اس تدبیر کو الٹ دیا۔

انگریز ہندو گٹھ جوڑ اور کانگریسی مسلمان :- کیا ان لوگوں کو' جو پاکستان کی تخلیق کو انگریز کا عطیہ کہہ کر اپنی ملت کے جہاد حریت کی توہین کرتے ہیں' قطعاً" شرمندگی محسوس نہیں ہوتی؟ کیا انہیں یہ واضح اور صریح کارروائیاں بھی نظر نہیں آتیں' وہ انگریز کو عملاً پاکستان کا حامی پاتے ہیں یا ہندو کا؟ کس نے پنڈت مونٹ بیٹن کے مرنے پر تین یا شاید سات دن سوگ منایا تھا؟ پاکستان نے یا بھارت نے؟ **فاعتبروا یا اولی الابصار!**

درحقیقت یہ پنڈت پرست لوگ اپنے ناقابل اظہار و بیان ارادوں پر پردہ ڈالنے کے لئے بات کو روپ الٹا دے دیتے ہیں' یہ لوگ کشمیر کے بھارت کے ساتھ ملحق ہو جانے کے بعد اپنے صوبے پر ہندوستان کی طرف سے چڑھائی کے منتظر تھے تاکہ سرحد کے باشندوں کی فتح کو شکست میں اور ان کی آزادی کو ہندو کی غلامی میں تبدیل کر دیں۔ اپنے جہاد حریت کی سزا قوم کو دیں۔ اس طرح پنڈت مونٹ بیٹن محسن تھے گاندھی جی کے بھارتی چیلوں کے بھی اور گاندھی جی کے پاکستانی چیلوں کے بھی...... کیا اس سب کچھ کے بعد بھی ان روشن بیں اور حق پسند گاندھی پرستوں کو حق نہیں پہنچتا کہ پکاریں اور بار بار پکاریں کہ پاکستان کی تحریک انگریز نے چلائی تھی اور اس تحریک کا سب سے بڑا حامی انگریز تھا؟

یہ دعویٰ ہے ان لوگوں کا جو نقارہ پیٹتے ہیں اس امر کا کہ وہ انگریز کے خلاف لڑے...... انہیں اسی زور سے یہ اعلان بھی ڈنکے کی چوٹ کرنا چاہئے کہ جب انگریز نے ہندو کے ساتھ گٹھ جوڑ کر لیا اور مسلمانوں کو آزادی سے محروم کرنے یا ان کو ان کا حق کم سے کم ادا کرنے کا فیصلہ کر لیا تو ہم نے آگے بڑھ کر ان دونوں فریقوں کا بھرپور ساتھ دیا اور مسلمانوں کو برباد کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اگر ایک بات کا طرہ اپنی پگڑی میں سجاتے ہیں تو دوسری بات کا طرہ بھی پگڑی میں سجائیں تاکہ جعفراز

...ر صادق از دکن اور ان کی معنوی اولاد جہاں کہیں بھی ...ستان' ہندوستان اور دیگر اسلامی ممالک میں ہو' فخر کرے' داد ... ور دعا بھی۔

...یز کو ہندوستان کی تقسیم بہرحال منظور نہ تھی:- اہل ...ب و عجم کو اس امر سے آگاہ کرنے کی ضرورت نہیں کہ جس ...نے میں پاکستان عالی شان وجود میں آیا' ان دنوں برطانیہ کے ...یراعظم مسٹر اٹیلی تھے جو اپنی کتاب A Prime Minister Remembers میں یونینسٹوں (Unionists) کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں صریحاً کہتے ہیں کہ انہیں مسٹر جناح سے 1927ء سے نفرت تھی' اور یہاں واضح کر دینا ضروری ہے کہ مسٹر اٹیلی کو قائداعظمؒ سے نفرت کیوں تھی' بات یہ ہے کہ 1927ء کے اواخر میں جب سائمن کمیشن انگلستان سے روانہ ہوا تو اس کے خلاف اس بنا پر ہندوستان میں شور بپا ہوا کہ اس کمیشن میں جو ہندوستان کی سیاسی گتھی سلجھانے آرہا ہے' ہندوستان کا کوئی ایک فرد بھی بحیثیت رکن شامل نہیں۔ جناب جی الانہ مصنف (M.A.Jinnah-The Story of a Nation) کے بقول اس کمیشن کے خلاف پہلا بھرپور جلسہ بمبئی میں منعقد ہوا تھا جس میں قائداعظمؒ نے فرمایا تھا "Simon Go Back" اور پھر یہی نعرہ پورے برعظیم کی فضاؤں میں گونجنے لگا' قدرتی امر ہے کہ سائمن کمیشن نے شدید توہین محسوس کی۔ اس کمیشن کے ایک معزز رکن خود مسٹر اٹیلی بھی تھے۔ گویا قائداعظم کے ساتھ انہیں اصولی کے علاوہ ذاتی عداوت بھی تھی۔

ان مسٹر اٹیلی نے اپنی محولہ بالا کتاب A Prime Minister Remembers میں لگی لپٹی رکھے بغیر لکھا ہے کہ مجھے اپنے دور اقتدار میں جس چیز کو ناپسند کرنے کے باوجود گوارا کرنا پڑا' وہ تقسیم ہند کا مسئلہ تھا۔ صاف اظہار کیا ہے کہ ہمیں ہندوستان کی وحدت بہرصورت پسند تھی۔ یہاں ایک اشارہ سا موجود ہے کہ تقسیم شدہ بھارت کو شمال کی طرف سے خطرہ رہے گا یعنی روس اس کمزور خطے میں اپنے پاؤں پھیلا سکتا ہے۔ بہرحال بقول مسٹر اٹیلی "ہم نے ہر متبادل حل تجویز کیا مگر مسلمانوں کو ایک علیحدہ آزاد قومی وطن کا جنون ہو گیا تھا۔ مسلمانوں کا ذہن اسی نقطہ پر اٹک کر رہ گیا تھا' پھر ہم کیا کرتے"۔

انگریز فوجی مبصرین بھی تقسیم ہند کے مخالف تھے:- لارڈ اسمے (Ismay) کی یادداشتوں میں بھی اور مائیکل ایڈورڈ کی کتاب The Last Year of British India میں بھی اس امر کی جانب اشارے موجود ہیں کہ اگر مسلمان متحدہ ہندوستان تسلیم نہ کرتے اور یقیناً مسلمان لڑنے مرنے پر تیار تھے تو نتیجہ وسیع خانہ جنگی ہوتا جس کو روکنے اور قابو پانے کی اس وقت برطانیہ میں ہمت نہ تھی۔ لہٰذا خطرہ تھا کہ شمال کی جانب سے روس کوئی ناجائز فائدہ اٹھا لے گا' کرنل کونل نے اپنی کتاب "فیلڈ مارشل آکنلک" میں فیلڈ مارشل صاحب کی طرف سے بھی اظہار کیا ہے کہ برطانوی سویلین اور فوجی یہاں کی ممکنہ خانہ جنگی کی افراتفری کو روک نہ سکیں گے۔ لہٰذا جلد از جلد برطانوی سول اور فوجی عہدہ داروں کو نکال کے انگلستان بھجوا دیا جائے۔

ویسے یاد رہے کہ آکنلک نے بھی متحدہ ہندوستان ہی کی حمایت کی تھی۔ کابینہ مشن تجاویز کے موقع پر ریڈیو سے تقریر میں ہندی وحدت پر زور دیا تھا۔ اس وقت وہ ہندی افواج کے کماندار اعلیٰ تھے...... ہاں تو آکنلک نے جغرافیائی اعتبار سے پاکستان کی اس لئے بھی مخالفت کی تھی کہ یہ ملک فرض کیا بن ہی جائے تو اس کی سرحدوں کا دفاعی تقاضا اس سے پورا نہ ہو گا خواہ وہ اپنے وسائل کا کتنا ہی کثیر حصہ دفاع پر کیوں نہ خرچ کر دے۔ آخر برعظیم پر حملہ کون کر رہا تھا؟ عیاں ہے کہ روس' جس کی طرف سے برطانیہ کو سو سال دھڑکا لگا رہا۔ مطلب واضح تھا کہ ہندوستان کو متحد رکھو' ورنہ روس گھس آئے گا۔ یہ تھی انگریز کی تحریک پاکستان کے ساتھ حمایت کی داستان۔

داستان عربوں کی تحریک پاکستان کے احوال سے ناآگاہی سے شروع ہوئی تھی مگر مقامی عرب و عجم بھی لپیٹ میں آگئے...... ہم باہر والوں کو کیا سمجھائیں جب یہاں ملک کے اندر ایک ایسا گروہ معتبر موجود ہو جو سمجھنے پر تیار نہ ہو اور جسے حقیقت سے گریزاں رہنے پر اصرار اور شدید اصرار ہو۔

(اقتباس از "دیوار برہمن")

فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں؟؟؟

یہ وہ سوال ہے جو آج ہر متجسس نوجوان اور ہر محبّ پاکستان کے قلب و ذہن کو وقف اضطراب کئے ہوئے ہے۔ کیونکہ وہ اس نتیجے تک تو پہنچ چکے ہیں کہ پاکستان میں قرآنی معاشرہ کا قیام، جو کہ اس کی وجہ جواز تھی اور ہے، اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ مسلمانوں میں فرقہ بندی ناپید نہیں ہو جاتی۔ لیکن فرقے ختم کیسے ہوں؟؟

اس سوال کا جواب ادارہ طلوع اسلام کے پاس ایک مدلل اور پر تاثیر مقالہ کی شکل میں موجود ہے جو مفکر قرآن علامہ پرویز علیہ الرحمتہ کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے۔ ادارہ طلوع اسلام اس مقالہ کی وسیع پیمانے پر اشاعت چاہتا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک یہ مقالہ ایک خوبصورت پمفلٹ کی شکل میں بلا قیمت پہنچا کر، مملکت خداداد پاکستان میں قرآنی معاشرہ کے قیام کی راہ ہموار کی جا سکے۔ وابستگان دامن قرآنی سے استدعا ہے کہ وہ اس پراجیکٹ کی تکمیل کے لئے حتی المقدور معاونت فرمائیں۔ عطیات درج ذیل اکاؤنٹ میں جمع کرائے جا سکتے ہیں۔

اکاؤنٹ نمبر 7-3082، نیشنل بنک آف پاکستان، گلبرگ 2، مین مارکیٹ، لاہور

چیئرمین، ادارہ طلوع اسلام رجسٹرڈ، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم جناب جنرل پرویز مشرف صاحب

(اس تحریر کو ضرور پڑھئے)

(ڈاکٹر سید عبدالودود' لاہور)

اللہ پر ایمان :- قرآن کی مستقل اقدار پر ایمان کا بنیادی ستون خود اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے۔ اللہ پر ایمان کوئی نظریاتی شئے نہیں۔ اس کا تعلق انسان کے اعمال اور روز مرہ زندگی سے ہے۔ اللہ پر ایمان کے معنی ہیں اس کی ہستی پر یقین' اس کے قوانین پر پورا پورا اعتماد اور ان کی اطاعت کا اقرار' اور اس کے بعد اپنے ہر انفرادی فعل سے پہلے اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جاننا اور ہر اجتماعی عمل میں اللہ کی حاکمیت (Sovereignty) کو تسلیم کرنا' یعنی یہ تسلیم کرنا کہ ہر معاملہ میں فیصلے کا آخری حق اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ **لا الہ الا اللہ۔** اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں' کوئی Sovereign نہیں۔ **ان الحکم الا للہ** (12:40)- اختیارات و اقتدار کا واحد مالک اللہ ہے۔

قرآن ایک طرف کہتا ہے۔ **لا یشرک فی حکمہ احدا** (18:26)- اللہ اپنی حاکمیت میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کرتا تو دوسری طرف انسانوں سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔ **لا یشرک بعبادۃ ربہ احدا** (18:110)- کوئی شخص اپنے رب کی حاکمیت میں کسی اور کو شریک نہ کرے۔ انسانی دنیا میں اللہ تعالیٰ اپنے احکام براہ راست نافذ نہیں کرتا بلکہ انسانوں کو یہ احکام وحی کے ذریعے ملتے ہیں جو انبیائے کرام پر نازل ہوتی ہے۔ اللہ کی وحی اس وقت صرف اللہ کی آخری کتاب میں موجود ہے جو اللہ کے آخری نبیؐ پر نازل ہوئی۔ چنانچہ کہا گیا **افغیر اللہ ابتغی حکما وھو الذی انزل الیکم الکتاب مفصلا** (6:114)- اے رسول! ان سے پوچھو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں [illegible] کر کسی اور کے قانون کے مطابق تمہارے فیصلے کرنے لگ جاؤں حالانکہ اس نے تمہاری طرف ایک مفصل کتاب' ایک واضح اور نکھرا ہوا ضابطہ قوانین' بھیج دیا ہے۔ چنانچہ انسانی دنیا میں اللہ کی Sovereignty سے مراد قرآن کریم کی Sovereignty ہے۔ یعنی ہر معاملے کے فیصلے کا آخری اختیار قرآن کے قوانین کو حاصل ہے۔

انسانی ذات پر یقین :- یہ بھی ایک بنیادی چیز ہے جس پر باقی مستقل اقدار پر ایمان کا انحصار ہے۔ انسان دو چیزوں پر مشتمل ہے : انسانی جسم اور انسانی ذات جسے قرآن نفس کے نام سے پکارتا ہے۔ کائنات کی دیگر جاندار اشیاء کی طرح انسانی جسم میں بھی ہر وقت تعمیر و تحلیل Catabolism, Anabolism کا عمل جاری رہتا ہے۔ ایک طرف خوراک سے جسم کی تعمیر ہوتی ہے تو دوسری طرف حرکت سے جسم تحلیل ہو کر بول و براز' پسینہ و کاربن ڈائی آکسائیڈ کی شکل میں خارج ہوتا رہتا ہے۔ انسانی ذات میں بھی ہر وقت تعمیر و تخریب کا عمل جاری رہتا ہے۔ ہمارے وہ اعمال جو قوانین خداوندی کے مطابق ہوں ان سے ہماری ذات کی تعمیر ہوتی ہے اور وہ اعمال جو قوانین خداوندی کے خلاف ہوں ان سے ذات کی تخریب ہوتی ہے۔ **ونفس وما سوھا۔ فالھمھا فجورھا و تقوٰھا ۔ قد افلح من زکھا۔ وقد خاب من دسھا** (91:7-10)- انسانی ذات اور جس انداز سے اسے متوازن بنایا گیا ہے' پھر اس کے اندر جس انداز سے اس امر کی صلاحیت رکھ دی گئی ہے کہ یہ چاہے تو (غلط روش پر چل کر) اپنے اندر انتشار پیدا کرے اور چاہے تو اس انتشار سے محفوظ رہ کر مستحکم ہو جائے [illegible]

چنی جائے۔

(انفس و آفاق میں کارفرما یہ تمام پروگرام اس حقیقت پر شاہد ہے کہ) جس نے اپنی ذات کی نشوونما کرلی وہ کامیاب و کامران ہو گیا' اسے زندگی کا مقصد حاصل ہو گیا۔ لیکن جس نے اسے مفاد پرستیوں کے بوجھ تلے دبائے رکھا اور ابھرنے نہ دیا اس کی کشت حیات ویران ہو گئی۔ اس کی انسانی صلاحیتیں خوابیدہ کی خوابیدہ رہ گئیں۔

انسانی ذات انسانی بچے کو Potential Form میں ملتی ہے اور اعمال صالحہ سے اس میں بتدریج پختگی آتی جاتی ہے۔ ہمارا جسم ہر آن تحلیل ہوتا رہتا ہے اور طبعی موت کے بعد یکدم ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن تعمیر شدہ انسانی ذات طبعی موت کے بعد ختم نہیں ہوتی۔ یہ ایک جوئے رواں کی طرح آگے بڑھ کر آخرت کی زندگی میں داخل ہو جاتی ہے۔ انسانی ذات کی نشوونما اجتماعی نظام میں رہ کر ہوتی ہے۔ انسانی جسم کی نشوونما اس چیز سے ہوتی ہے جسے وہ خود کھائے لیکن انسانی ذات کی نشوونما اس چیز سے ہوتی ہے جسے وہ دوسروں کی نشوونما کے لئے چھوڑ دے۔ یہ ایک بنیادی اصول ہے۔

قانون مکافات عمل :- دین کی ساری عمارت قانون مکافات عمل پر استوار ہوتی ہے۔ یہ دنیا Cause and Effect کی دنیا ہے۔ انسان کا ہر عمل حتیٰ کہ ارادہ تک بھی خدا کے قانون کے مطابق اپنا نتیجہ پیدا کر کے رہتا ہے۔ قرآن کی رو سے یہ تمام کارگہ حیات قانون مکافات عمل کو بروئے کار لانے کے لئے سرگرم عمل ہے (53:31,45:22)۔ کائنات میں خدا کا میزان عدل قائم ہے جس میں ہر انسان کے عمل کا ذرہ ذرہ تلتا ہے۔ **فمن یعمل مثقال نرۃ خیرا یرہ۔ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔** (99:7-8)۔ حتیٰ کہ نگاہ کی خیانت اور دل کا ارادہ تک بھی (40:19)۔ ہر شخص جو قانون خداوندی کی خلاف ورزی کرتا ہے اس کا ایک اثر خود اس کی اپنی ذات پر مرتب ہوتا ہے۔ اسی لئے قرآن نے کہا ہے کہ ہر مجرم خود اپنی ذات کے خلاف ارتکاب جرم کرتا ہے۔ (4:111)۔ لہٰذا اس کا نتیجہ اسے خود بھگتنا پڑتا ہے۔ (2:286)۔ اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا۔ (17:15,17:7) جو شخص آگ میں انگلی ڈالے گا اس کی تکلیف اسی کو ہو گی۔

احترام آدمیت ایک مستقل قدر ہے چونکہ انسانی ذات ہر انسانی بچے کو یکساں طور پر ملتی ہے اس لئے ہر انسان محض انسان ہونے کی حیثیت سے واجب الاحترام قرار پاتا ہے۔ **ولقد کرمنا بنی ادم** (17:70)۔ یہ حقیقت ہے کہ ہم نے تمام فرزندان آدم کو واجب التکریم بنایا ہے۔ اس سے ذات پات' حسب نسب اور رنگ و نسل کے تمام امتیازات بھی ختم ہو جاتے ہیں۔

تعین مدارج :- بنیادی طور پر ہر انسانی بچے کی تکریم محض انسان ہونے کی وجہ سے کی جائے گی' لیکن معاشرے میں مدارج کا تعین افراد کے جوہر ذاتی اور سیرت و کردار کی رو سے ہو گا۔ حسن کارانہ انداز سے (متوازن) زندگی بسر کرنے والے قابل ستائش ہوں گے۔ (2:195)

درجات کا تعین ہر ایک کے کام کے مطابق ہو گا۔ (46:19) جو سب سے زیادہ قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرے گا وہ سب سے زیادہ واجب التکریم ہو گا۔ (49:13) معاشرے میں جو لوگ تنہا رہ جائیں انہیں ذلت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جائے گا۔ (89:17)

حکومت :- یہ پہلے بیان کر چکا ہوں کہ قرآنی معاشرہ میں ہر معاملے کے فیصلے کا آخری اختیار قرآن کے قوانین کو ہو گا۔ لیکن خدا کی کتاب کی محکومیت انفرادی طور پر اختیار نہیں کی جا سکتی۔ اس کے لئے ایک انسانی مشینری کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان معنوں میں قرآن اس ہیئت اجتماعیہ کو جو تمدنی نظم و نسق کو کتاب اللہ کے مطابق چلائے حاکم تسلیم کرتا ہے۔ یہ جماعت مومنین اس صورت میں کتاب اللہ کے مطابق نظم و نسق قائم کرے گی جب اس کی اپنی آزاد مملکت ہو' چنانچہ جماعت مومنین کے لئے تمکن فی الارض ضروری ہے۔ یہ تمکن ایمان اور اعمال صالحہ سے حاصل ہو گا۔ **وعد اللہ الذین امنوا**

عملوا الصلحت لیستخلفنهم فی الارض کما

الذین من قبلهم.....(24:55)-

اس سے مقصود قرآنی اوامر و نواہی کے مطابق معاشرہ

تشکیل ہو گی۔ (22:41)-

س میں قرآنی رہنمائی کی روشنی میں جملہ امور کے فیصلے

ت کے باہمی مشورہ سے ہوں گے۔ (3:158,42:38) دعوت

خیر یعنی بھلائی کی طرف دعوت ان کا فریضہ ہو گا۔ (2:143)

باب میں وہ ہر ایک سے تعاون کریں گے۔ (5:2)

اللہ تعالیٰ ہر پکارنے والے کی پکار سنتا ہے (3:37) اور براہ

راست سنتا ہے (2:186) اور مظلوم کی فریاد کا جواب دیتا ہے کہ

تمہاری محنت رائیگاں نہیں جائے گی۔ (3:194)

وہ المستعان ہے (21:112)- جسے امداد کی واقعی

ضرورت ہوتی ہے وہ اس کی مدد کرتا ہے۔ کبھی وعدہ خلافی نہیں

کرتا (39:20) بات کا سچا ہے (4:87) کبھی بھولتا بھٹکتا نہیں

(20:52) نوع انسان کو صحیح رہنمائی دے کر تاریکیوں سے

روشنی کی طرف لاتا ہے۔ (2:257) دنیا میں جو حکومت اللہ کے

نام پر قائم ہو گی وہ انہی صفات' انہی مستقل اقدار کی حامل ہو

گی اور خدا کی ان ذمہ داریوں کو پورا کرے گی۔ اس مقصد کے

لئے اقتدار حاصل کرنا عین تقاضائے دین ہے۔ اس کے علاوہ

کسی اور مقصد کے لئے حصول اقتدار لوگوں کو غلام بنانے کا

حیلہ ہے لہٰذا ممنوع ہے۔ (7:146) جو حکومت ان اقدار کے

لئے وجود میں آئے اس کے خلاف بغاوت انسانیت

جرم عظیم ہے۔ (42:42,10:23) لیکن جو نظام ان

کو چھوڑ دے اس کی اطاعت وجہ تذلیل انسانیت ہے۔

اس نظام کے انسانیت ساز نتائج اس درخشندگی سے دنیا کے

آئیں گے کہ اس کا مقابلہ کوئی غلط نظام نہیں کر سکے

(2:18) چونکہ اس نظام کو قوانین خداوندی کی تائید و

حاصل ہو گی اس لئے یہ دنیا کے تمام نظام ہائے باطل پر

آجائے گا۔ (58:21,48:48) اور اس کے حاملین کو نوع

انسان کی لیڈر شپ حاصل ہو جائے گی۔ (2:124)

آزادی:- قرآن کریم انسانی آزادی کو بڑی اہمیت دیتا ہے اور آزادی کا ایک ایسا تصور پیش کرتا ہے جو دنیا کے کسی اور اجتماعی نظام میں نہیں ملتا۔ وہ کہتا ہے کہ کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں کہ وہ کسی دوسرے انسان کو اپنا محکوم بنائے خواہ اسے ضابطہ' کتاب' دوسروں کے فیصلے کرنے کا اختیار' حتیٰ کہ نبوت بھی کیوں نہ دی گئی ہو۔ **ماکان لبشر ان یوتیه الله الکتاب والحکم والنبوة ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون الله** ....(3:78)- انسانوں کی آزادی پر کوئی شخص کسی قسم کی پابندی نہیں عائد کر سکتا۔ قرآن انسانوں کی وضع کردہ یا خود ساختہ زنجیروں کو توڑنے کے لئے آیا ہے۔ (7:157) اور انسان کو ہر نوع کی غلامی سے آزادی دلانے کے لئے (90:13)- لیکن ظاہر ہے انسان نے مل جل کر رہنا ہو تو ہر فرد کی آزادی پر کچھ نہ کچھ پابندیاں خود انسانی تمدنی زندگی کا تقاضا ہو گا۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ حق صرف خدا کو حاصل ہے کسی انسان کو نہیں.... **ان الحکم الا لله امرالا تعبدوا الا ایاه**.... (12:40)-

ربوبیت عالمینی:- قرآن کریم نے خدا کی پہلی صفت ربّ العلمین بتائی ہے (1:1) رب کے معنی ہیں جو کسی شے کو نشوونما دیتا ہوا اس کے نقطہ آغاز سے بتدریج اس کی تکمیل تک لے جائے اور عالمین سے مراد جملہ کائنات اور تمام عالم انسانیت ہے۔ انسان کی نشوونما میں اس کی طبعی پرورش بھی شامل ہے اور اس کی ذات کی نشوونما بھی۔ لہٰذا اسلامی مملکت کا فریضہ ہے کہ وہ ایسا انتظام کرے جس سے تمام افراد انسانیہ کی بلا تفریق مذہب و ملت اور بلا امتیاز رنگ و نسل جسمی پرورش بھی ہوتی جائے اور ان کی ذات کی نشوونما بھی۔

سامان حفاظت:- خدا نے بھوک اور خوف کو عذاب سے تعبیر کیا ہے۔ (16:112) بھوک کا عذاب دور کرنے کے لئے خدا کی صفت ربوبیت و رزاقیت کارفرما ہوتی ہے لیکن وہ رحیم کے ساتھ غفور بھی ہے (2:173)- غفور کے معنی ہیں سامان حفاظت

پہنچانے والا۔ اس لئے اسلامی مملکت کا ایک بنیادی فریضہ یہ بھی ہے کہ وہ افراد معاشرہ کی حفاظت کا پورا پورا بندوبست کرے۔ اس کے لئے قرآن میں ہے کہ خدا نے ضابطہ قوانین (کتاب) اور میزان (نظام عدل) کے ساتھ الحدید (شمشیر خارا شگاف) بھی نازل کی ہے۔ (57:25) چنانچہ اسلامی سلطنت کے لئے صاحب قوت ہونا بھی ضروری ہے۔ اسی سے وہ مخالفین کے مقابلے میں چٹان کی طرح سخت واقع ہو گی۔ (48:29) اور اپنی سرحدوں کی بہترین حفاظت کرے گی۔ لیکن یہ قوت مظلوموں کی مدافعت کے لئے استعمال کی جائے گی، کسی پر ظلم کرنے کے لئے نہیں، کیونکہ خدا کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ (3:18) اس حفاظت میں مملکت کے اندر افراد معاشرہ کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت بھی آجاتی ہے اور بیرونی دشمنوں سے خود مملکت کی حفاظت بھی۔

کائنات بالحق پیدا کی گئی ہے:- کائنات کے متعلق یہ نظریہ کہ کائنات بالحق پیدا کی گئی ہے ایک مستقل قدر ہے جو انسانی نگاہ کے زاویہ کو بدل دیتی ہے۔ تخلیق بالحق سے مراد یہ ہے (48:22) کہ کائنات یونہی فریب تخیل یا مایا یا سراب نہیں اور اسے تعمیری مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ (24:38,21:16,15:85) اسلامی مملکت کا فریضہ ہے کہ وہ سائنٹفک ریسرچ کے ایسے انتظام کرے کہ فکری تحقیق و عملی تجربات سے یہ ثابت کر دیا جائے کہ کائنات کی کوئی شے باطل یا رائیگاں پیدا نہیں کی گئی۔ (3:189-190) یہ سارا سلسلہ خدا کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق سرگرم عمل ہے اور ان قوانین میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ (17:77)

عمل تخلیق:- تسخیر فطرت سے مقصود یہ ہے کہ انسان خدا کے عمل تخلیق میں حصہ لے۔ خدا کی ایک صفت تو **بدیع السموات والارض** (2:117) یا **فاطر السموات والارض** (6:14) ہے۔ بدیع اور فاطر کے معنی ہیں کسی شے کو عدم سے وجود میں لانے والا۔ یہ صفت صرف خدا کے لئے مخصوص ہے۔ کوئی انسان اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔ البتہ خدا کی ایک اور صفت خالقیت ہے۔ خلق کے معنی ہوں گے موجود عناصر میں ترکیب نو سے نئی نئی چیزیں وضع کرنا۔ ان معنوں میں انسان خدا کے عمل تخلیق میں شریک ہو سکتا ہے کیونکہ خدا نے اپنے آپ کو احسن الخالقین کہا ہے۔ (23:14)

عدل اور احسان:- قرآنی معاشرہ کا نظام عدل انسانی اعمال کے ان اثرات سے متعلق ہے جن کا اثر خود انسانی ذات پر مرتب ہوتا ہے لیکن انسانی اعمال کا ایک اثر معاشرہ پر بھی پڑتا ہے۔ اس لئے معاشرہ میں انہی خطوط پر نظام عدل قائم کرنے کے لئے اس حکومت کا قیام ضروری ہے جس کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ یہ وہ انقلاب ہے جس کی رو سے اقتدار و اختیار ظالم اور متبد قوتوں کے ہاتھ سے چھین کر قوانین خداوندی کے ہاتھ میں دے دیا جاتا ہے۔ (20:15) اس انقلاب سے وہ حکومت خداوندی متشکل ہوتی ہے جس میں میزان عدل استوار ہو جاتی ہے۔ (40:16-17) اور اس میں ہر فرد اپنے اعمال کی صحیح جزا اور سزا پاتا ہے۔ (2:286) مجرم کا پیچھا کر کے اسے اس کے جرم کی سزا دی جاتی ہے۔ (2:179) لیکن کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔ (6:165) اس میں نہ کسی کی سفارش چلتی ہے اور نہ کفارہ کام دے سکتا ہے، نہ کسی کے اثر و رسوخ (2:179) اس میں ہر ایک کے لئے عدل ہوتا ہے اور یکسر عدل (4:58) بلا رو رعایت عدل (4:135) دوست اور دشمن سب سے عدل (5:8) عدل کے معنی ہیں ہر معاملہ کا فیصلہ قوانین خداوندی کے مطابق (39:69-70) ہو۔ اور ہر شخص کو اس کی محنت کا پورا معاوضہ ملے۔ (39:70,53:39) لیکن اگر کسی کی محنت سے اس کی ضروریات پوری نہ ہوتی ہوں تو اس کی کمی کو پورا کرنا بھی اس نظام کی ذمہ داری ہے۔ اس لئے قرآن نے عدل کے بعد احسان کا بھی حکم دیا ہے۔ (16:90) احسان کے معنی ہیں کسی کی کمی کو پورا کر کے اس کے توازن کو برقرار کر دینا۔ جماعت مومنین کے درمیان میدان مسابقت (یعنی ایک دوسرے سے بڑھ جانے کا میدان) یہ ہو گا کہ اپنی محنت کے ماحصل کو کس حد تک دوسروں کی بہبود کے لئے وقف کرتے

...ب۔ (2:148) دوسرے لوگوں کی کمائی پر عیش اڑانے والوں کے لئے اس مملکت میں کوئی گنجائش نہیں ہو گی۔ (21:11-13) نہ ہی ان لوگوں کے لئے جو معاشرے کا معاشی توازن بگاڑنے کی کوشش کریں۔ (83:1-6) دولت جمع رکھنے کا اس میں سوال ہی نہیں ہو گا کیونکہ فاضلہ دولت کسی کے پاس نہیں رہے گی۔ (2:219) جس طرح خون انسانی جسم میں گردش کرتا ہے اور جسم کے ہر عضو کو اس کی مناسب نشوونما مہیا کرتا ہے اسی طرح ...ت قرآنی معاشرہ میں گردش کرتی ہے اور ہر ایک کے لئے ...ان نشوونما مہیا کرتی ہے۔

وحدت امت :- اس قسم کا معاشرہ متشکل کرنے کے لئے جو امت (جماعت مومنین) وجود میں آئے گی اس میں وحدت کا ...یک مستقل قدر ہے اسی لئے امت میں فرقہ بندی کو ...ک قرار دیا گیا ہے (30:31-32)۔ اور رسولؐ اللہ سے کہا گیا ہے ... کیا کرنے والوں سے تمہارا کوئی تعلق نہیں (6:160) تفرقہ ... کا عذاب ہے (3:104)۔ دین کا نظام یہ ہے کہ خدا کی ...لب و پوری کی پوری امت کامل یکجہتی اور ہم آہنگی کے ...تھ رہے (3:102)۔ اور کسی قسم کا تفرقہ پیدا نہ ہو۔ ...س تفرقہ میں مذہبی فرقہ بندی اور سیاسی پارٹیاں سب شامل ہیں ...۔ کوئی کام بظاہر کتنا ہی بڑا نیک کیوں نہ ہو اگر اس سے امت میں تفرقہ پیدا ہوتا ہے تو جرم عظیم ... پائے گا۔ (9:109)

وحدت انسانیت :- دین کا مقصد ایک عالمگیر انسانی برادری کی تشکیل ہے اس لئے وحدت انسانیت ایک مستقل قدر ہے۔ یہ وحدت آئیڈیالوجی کے اشتراک سے ہو گی (10:19,2:213)۔ ...ل ایسا اقدام جس سے انسانیت کی وحدت کی بجائے تفرقہ پیدا ہو خدا کے پروگرام کی خلاف ورزی ہو گی (13:21-25,2:27)۔ جو لوگ قرآن کی آئیڈیالوجی کی صداقت کو تسلیم نہیں کریں گے وہ اس برادری کے افراد تسلیم نہیں کئے جائیں گے۔ اس اعتبار سے انسان دو قوموں میں تقسیم ہو جائیں گے' ایک وہ جو اس آئیڈیالوجی کو تسلیم کریں گے اور دوسرے وہ جو اس آئیڈیالوجی سے انکار کریں (64:2)۔ لیکن جو لوگ اس برادری میں شامل نہیں ہوں گے حقوق انسانیت کے وہ بھی مستحق رہیں گے۔ اس لئے کہ تمام بنی نوع انسان کی منفعت بخشی ایک مستقل قدر ہے۔

لا اکراہ فی الدین کوئی شخص دین میں بالجبر داخل نہیں کیا جائے گا (2:256,10:99,18:29)۔ ایمان نام ہی قلب و دماغ کے کامل اطمینان کے بعد صداقت کے اقرار کا ہے۔ اس سے انسان کے اندر ایک بنیادی تبدیلی واقع ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ جب تک افراد کے اندر نفسیاتی تبدیلی پیدا نہ ہو خارجی دنیا میں صحیح انقلاب پیدا نہیں ہو سکتا۔ (13:11,8:53)

ذاتی ذمہ داری :- **ولا تزر وازرۃ وزر اخری** (6:165) کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔

ظلم :-ظلم عدل کی مخالفت ہے۔ **لا تظلمون ولا تظلمون** (2:279) نہ تم کسی پر ظلم کرو۔ نہ کوئی تم پر ظلم کرے۔

عدالتی عدل :- **ولا تلبسوا الحق بالباطل وتکتموا الحق وانتم تعلمون** (2:42) جھوٹ کو سچ کے ساتھ نہ ملاؤ اور نہ سچ کو جان بوجھ کر چھپاؤ۔ **ولا تکتموا الشھادۃ** (2:283) شہادت کو مت چھپاؤ۔ **یا ایھا الذین امنوا .... فان اللہ کان بما تعملون خبیرا۔** (4:135) اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور اللہ کے لئے سچی گواہی دو۔ خواہ اس میں تمہارا یا تمہارے ماں باپ کا اور رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو۔ اگر کوئی امیر ہے یا فقیر تو اللہ ان کا خیر خواہ ہے۔ تو تم خواہش نفس کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑو۔ اور اگر تم پیچ دار شہادت دو گے یا شہادت سے بچنا چاہو گے تو (جان رکھو) کہ اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے"۔

دشمن کے ساتھ بھی انصاف کرو :- **یاایھا الذین امنوا.... الا تعدلوا...** (5:8) اے ایمان والو! اللہ کے لئے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی بھی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ

پھر قرآن وکلاء سے مخاطب ہو کر کہتا ہے : .... **ولا تکن للخائنین خصیما** (4:105) "یاد رکھو تم بددیانت لوگوں کی حمایت میں کبھی بحث نہ کرنا"۔

ولا تجادل عن الذین یختانون انفسھم ..... (4:107) "اور جو لوگ اپنے نفس سے خیانت کرتے ہیں۔ ان کی طرف سے بحث نہ کرنا"۔

"گنہگاروں کی مدد نہ کرو"۔ (28:17)

امر بالمعروف و نہی عن المنکر :- درست کاموں کا حکم دینا اور غلط کاموں سے روکنا۔ یہ بھی اسلامی حکومت کا فریضہ ہے۔

فساد :- عدل کی ضد ہے۔ اللہ فساد اور فتنہ انگیزی کو پسند نہیں کرتا۔ (2:205)۔

امانت :- **ان اللہ یامرکم ان تؤدو الا مئنات الی اھلھا**..... (4:58)۔

"اللہ تمہیں حکم دیتا ہی کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دو" چنانچہ قرآن کریم امانت واپس کرنے پر بے حد زور دیتا ہے۔ لیکن حکومت کی باگ ڈور دیگر افراد کے حوالے کرنا سب سے بڑی اور مقدس امانت ہے۔ چنانچہ یہ امانت ان لوگوں کے حوالے کرو جو اسے ایمانداری سے لوٹا سکیں' جو عدل اور انصاف کے ساتھ اس ذمہ داری کو نبھا سکیں۔

معیشت :- نظام اشتراکیت اور نظام سرمایہ داری عوام الناس کو نشوونما پہنچانے کی ذمہ داری میں ناکام ہو چکے ہیں۔ اس مسئلہ کا واحد حل وہی ہے جو قرآن نے پیش کیا ہے۔

الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ..... (22:41) "یہ جماعت جو دنیا سے ظلم اور سرکشی مٹانے کے لئے اٹھی ہے) اگر ہم نے انہیں ملک میں حکومت عطا کر دی تو یہ نظام صلوٰۃ قائم کریں گے (تاکہ افراد معاشرہ قوانین خداوندی کا اتباع کرتے چلے جائیں) اور تمام نوع انسانی کو رزق بہم پہنچائیں گے۔"

ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ....... (9:111) جماعت مومنین کا نظام خداوندی کے ساتھ معاہدہ ہوتا ہے۔ اس معاہدہ کی رو سے نظام خداوندی ان کے جان و مال خرید لیتا ہے اور اس کے معاوضہ میں انہیں جنت کی زندگی کی ضمانت دے دیتا ہے۔ (یعنی اس دنیا میں ان کی تمام ضروریات زندگی کی بہم رسانی اور ان کی صلاحیتوں کی نشوونما کے تمام وسائل و اسباب کی فراہمی اس نظام کے ذمے ہو جاتی ہے)۔

ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا..... (2:29) چنانچہ زمین سے پیداوار کے تمام ذرائع بنی نوع انسان کے لئے ہیں (نہ کہ کسی خاص گروہ کے لئے۔)

ولقد مکنکم فی الارض و جعلنا لکم فیھا معایش..... (7:10) "وہی تو ہے جس نے تم کو زمین میں تمکن عطا فرمایا اور زندگی گزارنے کے تمام ذرائع عطا کئے۔

سواء للسائلین ..... (41:10)۔ سب کے لئے برابر برابر۔ مفت میں ہاتھ آنے والی دولت کے پیچھے نہ پڑو۔ اپنی محنت سے کماؤ (53:39)۔

.... **یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو**....... (2:219) "اپنی کمائی میں سے بقدر ضرورت اپنے پاس رکھو اور جس قدر اس سے زائد ہو سب کا سب نوع انسانی کی پرورش کے لئے کھلا رکھو (تاکہ نظام خداوندی اسے ضروری مصرف میں لا سکے"۔)

دوسروں پر خرچ کرنا خیرات کا مسئلہ نہیں بلکہ حقوق انسانی (Human Rights) کا مسئلہ ہے۔ جن کو تم دیتے ہو یہ نہ سمجھو کہ تم ان پر احسان دھرتے ہو۔ قطعاً" نہیں۔ یہ تو محض اللہ کے حکم کی بجا آوری ہے۔ دینے والا تو شکریہ کا بھی مستحق نہیں۔ (76:9) دوسروں پر خرچ کرنا خود اپنی ذات کی پرورش اور استحکام کے لئے ہے۔ (2:265)

اسلامی معاشرے کی حفاظت کی اہمیت :- مومنین کو

حکم دیا جاتا ہے کہ اسلامی معاشرے کی حفاظت کرو۔ جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی ان سے اللہ کی راہ میں لڑو مگر زیادتی مت کرو (2:190)۔ ان سے اس وقت تک لڑتے رہو جب تک فساد نابود نہ ہو جائے اور اللہ کا دین ہی باقی رہے (2:193)۔

مستقل اقدار اعمال انسانی کے لئے ایک حد (Boundry Line) مقرر کرتے ہیں۔ اسلامی معاشرہ میں روزمرہ کے معاملات اس حد کے اندر رہتے ہوئے باہمی مشاورت سے حل کئے جاتے ہیں۔ **امرھم شوری بینھم** (42:38)۔ اللہ کے رسولؐ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ چنانچہ آپ کو حکم دیا جاتا ہے۔ **شاورھم فی الامر** (3:158)۔

میں نے مندرجہ بالا سطور میں وہ مستقل اقدار اختصار کے ساتھ بیان کر دی ہیں جو قرآن کریم کے مطالعے سے نمایاں طور پر سامنے آتی ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی قرآن کے صفحات پر بکھری پڑی ہیں۔

ہم پاکستانی عرصہ نصف صدی سے ان مشکلات میں گھرے چلے آرہے ہیں جو کہ ہماری خود پیدا کردہ ہیں۔ اس لئے کہ ہم نے قرآن کے نظام میں مغربی جمہوریت کا پیوند لگا کر اسے مجسم خرافات میں تبدیل کر دیا ہے۔ اب ان مشکلات سے باہر نکلنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ قرآن کی مستقل اقدار پر سختی سے عمل کر کے مغربی جمہوریت کے راستے کو نفرت سے ٹھکرا دیا جائے تاکہ امور مملکت میں اللہ کی حاکمیت قائم کی جا سکے۔

پیپلز کلیرنگ ایجنسی
کسٹم ھاؤس سے منظور شدہ
کلیرنگ اینڈ فارورڈنگ ایجنٹ
۲۵ سالہ تجربہ کار
کلیرنگ اور فارورڈنگ کے معاملات میں ایک قدم آگے
ہمارے ۲۵ سالہ تجربہ سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ فائدہ۔
ھم آپکی خدمت کیلئے ھمہ وقت تیار ھیں۔
۵۔ وقار سینٹر، فرسٹ فلور رام بھارتی اسٹریٹ، جوڑیا بازار۔ کراچی
فون: ۲۴۲۶۱۳۸ ۲۴۳۱۰۴۵-۲۴۳۷۵۳۷
فیکس نمبر:۔
ٹیلیکس: ۲۱۰۴۳ BTC PK

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد سلیم اختر

روئیداد تقریب یوم آزادی

گذشتہ سال کی طرح اس دفعہ بھی پاکستان کے 53 ویں یوم آزادی کے موقعہ پر تحریک طلوع اسلام نے مینار پاکستان کے سایہ تلے اپنا سٹال لگایا۔ بادشاہی مسجد کے سامنے' آزادی پارک کے گیٹ کے ساتھ قناتیں اور شامیانے نصب کر دیے گئے' جن پر طلوع اسلام کے' قرآنی آیات سے مزین بڑے بڑے دل آویز بینر لگائے گئے تھے۔ سٹال کی ایک جانب ادارہ طلوع اسلام نے اپنے شائع کردہ درجنوں پمفلٹ جبکہ دوسری جانب طلوع اسلام ٹرسٹ نے اپنی شائع کردہ کتب میزوں پر خوبصورتی سے سجا رکھی تھیں' درمیان میں مہمانان گرامی کے لئے کرسیاں بچھا دی گئی تھیں اور کرسیوں کے بالمقابل بڑی سکرین والے رنگین ٹی۔ وی پر علامہ غلام احمد پرویز گل افشانی گفتار میں محو تھے۔

ادارہ طلوع اسلام کی ایگزیکٹو کمیٹی کے معزز ارکان محترم اسلم نوید صاحب محترم احمد علی صاحب' محترم محمد اقبال صاحب' محترم آفتاب عروج صاحب' محترم عبداللہ ثانی صاحب' محترم چوہدری نثار احمد صاحب' محترم اشرف ظفر صاحب' محترم اقبال ادریس ناظم ادارہ' حسین قیصرانی منیجر ٹرسٹ معہ سٹاف اور چیئرمین ادارہ محترم ایاز حسین انصاری صاحب کے علاوہ پشاور سے محترم ڈاکٹر سعید شاہ صاحب بھی ادارہ طلوع اسلام کے ساتھ یوم آزادی منانے کے لئے تشریف لائے تھے۔ ڈاکٹر سعید شاہ صاحب کے ساتھ تشریف لائے ہوئے پشاور بزم کے نوجوان رکن معراج نبی صاحب نے ادارہ کے کارکنان کے ساتھ بینر لگانے' کرسیاں بچھانے اور دیگر انتظامات میں ہاتھ بٹایا جبکہ پمفلٹس کے سٹال پر سخی جان آفریدی' ایوب صاحب اور اوکاڑہ سے آئے ہوئے ننھے سے بچے احمد بلال نہایت مستعدی اور جذبے سے کام کرتے رہے۔ سٹال لگتے ہی لوگوں کا تانتا بندھ گیا۔ پرویز علیہ الرحمتہ کا درس سننے کے لئے بچھائی گئی 50 کرسیاں "آناً فاناً" پر ہو گئیں' باقی آنے والے کھڑے ہو کر درس سننے لگے۔ کچھ پمفلٹس کے سٹال پر لپکے اور کچھ افراد کتب دیکھنے میں مصروف ہو گئے۔

ادارہ طلوع اسلام نے اپنے پمفلٹس ایک ایک روپے میں دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ پمفلٹ دھڑا دھڑ بک رہے تھے۔ بچے' نوجوان' معمر حضرات اپنی دلچسپی کے مطابق تمام پمفلٹس میں سے کچھ پمفلٹ منتخب کرتے اور خرید لیتے۔ یہ سلسلہ صبح سے رات سات بجے تک بلا تعطل جاری و ساری رہا۔ ادھر ایک کے بعد ایک درس تبدیل ہوتا رہا اور لوگ قرآنی افکار کی سلسبیل سے مستفیض ہوتے رہے۔ جوں جوں سورج بلندی کی طرف مائل ہو رہا تھا' توں توں گرمی کی حدت و شدت میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ پارک میں پینے کے پانی کا کہیں انتظام نہیں کیا گیا تھا۔ نمائندہ بزم لاہور محترم اشرف ظفر صاحب نے اس صورت حال کی سنگینی کے پیش نظر پہلے ہی انتظام کر رکھا تھا۔ بزم طلوع اسلام لاہور کے کارکنان نے ادارہ طلوع اسلام کے سٹال سے متصل پینے کے ٹھنڈے پانی کی سبیل لگا رکھی تھی۔ بزم طلوع اسلام لاہور کے رضا کار اس شدید گرمی میں یوم آزادی منانے کے لئے مینار پاکستان آئے ہوئے لوگوں کی تشنگی مٹانے میں سارا دن مسلسل مصروف رہے۔ سٹال سے باہر ایک بورڈ پر جلی حروف میں تحریر کر دیا گیا کہ جو حضرات طلوع اسلام کا

[illegible] محسوس کرتے ہوں وہ ساتھ رکھے رجسٹر [illegible] پتہ تحریر کر دیں تاکہ طلوع اسلام ان کے نام [illegible] رسال کرنے کا اہتمام کر سکے۔ اس نوٹس کو پڑھ [illegible] لوگوں نے اپنا نام اور پتہ تحریر کر دیا۔ رضاکاران و [illegible] سلام کے لئے دوپہر کے کھانے کا بندوبست بھی [illegible] بطور محترم محمد اشرف ظفر صاحب کے ذمہ تھا جو [illegible] بحسن و خوبی سرانجام دیا۔ کھانا اس قدر وافر تھا کہ [illegible] و مہمانان کو کھلانے کے بعد بھی بہت سا بچ رہا' جو دیگر [illegible] کی لذت کام و دہن کا باعث بنتا رہا۔ دوپہر کے بعد [illegible] لوگوں نے طلوع اسلام اور اس کے افکار سے متعلق [illegible] رات کرنا شروع کر دیے جن کا جواب چیئرمین ادارہ محترم [illegible] حسین انصاری اور ناظم ادارہ محترم اقبال ادریس صاحب [illegible] حسن و خوبی دیتے رہے۔ یہ سلسلہ شام سات بجے تک جاری رہا۔ شام ہوتے ہی برقی قمقمے روشن ہو گئے۔ اب درس قرآن کریم شامیانے سے نکل کر اوپن ایئر میں چلانے کا فیصلہ ہوا۔ چنانچہ ٹی۔ وی' وی۔ سی۔ آر باہر نصب کر دیے گئے' تمام کرسیاں بھی باہر بچھا دی گئیں۔ پرویز صاحب کا خصوصی درس لگا دیا گیا۔

ع وہ انتظار تھا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں

اس درس کے بعد چونکہ رات ہو چکی تھی اس لئے چیئرمین صاحب نے سامان پیک کرنے کا حکم دے دیا۔ اس موقعہ پر طلوع اسلام کے ہزاروں پمفلٹ اور درجنوں کتب لوگوں نے حاصل کیں۔ بلاشبہ ہزاروں نئے افراد طلوع اسلام کے نام اور پیغام سے متعارف ہوئے۔ اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ طلوع اسلام یہ سٹال لگا کر اور قوم کے ساتھ جشن آزادی میں شریک ہو کر' اپنے اہداف حاصل کرنے میں صد فیصد کامیاب رہا۔

ڈاکٹر شبیر احمد صاحب کے مضامین اکثر و بیشتر مجلہ طلوع اسلام میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اس ضمن میں قارئین طلوع اسلام استفسارات کے لئے ادارہ سے ان کا پتہ طلب کرتے ہیں۔ قارئین طلوع اسلام کی سہولت کے لئے ان کا پتہ ذیل میں دیا جاتا ہے۔ (مدیر)

Dr. SHABBIR AHMED, M.D.
6440 N.W. 53 St.
LAUDERHILL, FL 33319,
USA
Ph:(954) 746-2115

Safety Sealers *for*

FULL PROTECTION

From Foundation to Roof Top

Dampcourse Sheeting 13" & 9" to BS 6398:83

Damp Wall Coating to ASTM D-2822

Sealocrete Waterproofing Powder & ADMIXTURES

Oxy Bit Range of Oxidised Bitumens

Roofing Felts to BSS & ASTM SPEC

Safetorch: 3 to 5 MM Torch on Membranes

Joint Sealants for Buildings & Structure Water Retaining

Jet Fuel Resistant Sealing for Runways

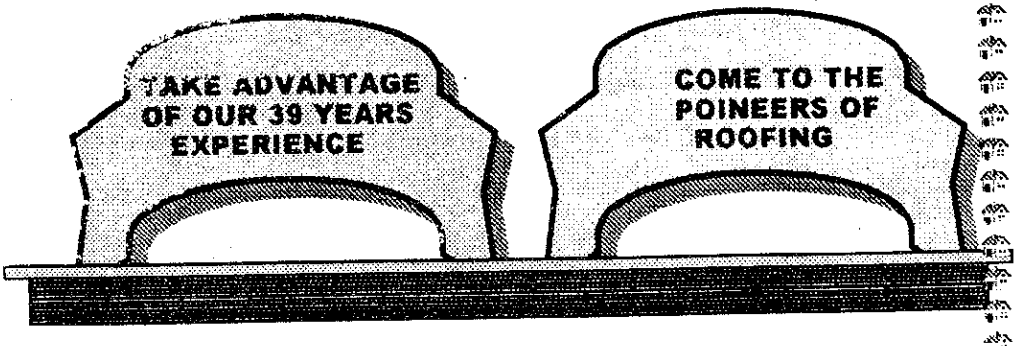

SAFETY SEALERS (PVT) LTD.

Ist Floor Galaxy Shopping Centre, 115-Ferozepur Road, Lahore-Pakistan
Tel Office:417254-7573615
KARACHI OFFICE:2/13-A, Commercial Area, P.E.C.H.S.
Karachi-Pakistan Tel:4944059
QUETTA: 12 A Nursery Lines
Ph:836778

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عظیم تحفہ خداوندی انسانی دماغ

(ارشاد احمد دانش)

اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت انسانی دماغ ہے۔

انسانی دماغ جیسا کہ عام طور پر تصور کیا جاتا ہے کہ یہ نہایت نرم و نازک چیز ہے (جو کہ یہ ہے بھی)۔ اس قدر نرم و نازک ہونے کے باوجود یہ پائیدار بھی ہے۔

انسانی دماغ سے متعلق ہم یہاں چند اہم باتیں بیان کریں گے۔ جس سے اسے سمجھنے میں آسانی ہو گی۔

کیا دماغ تھکتا ہے؟:- عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ انسانی دماغ مسلسل کام سے تکان کا شکار ہو جاتا ہے لیکن سائنسدان اس بات سے متفق نہیں ہیں۔ ان کے خیال میں ایسی کسی حالت کا وجود نہیں۔

دماغ کا عمل (Function) عام پٹھوں (Muscles) جیسا نہیں بلکہ دماغ کی بافتیں ذرا مختلف ساخت کی ہوتی ہیں۔ ان کا میکانزم (Mechanism) Electro-Chemical ہے۔ بالکل Wet cell batery کی طرح۔

کئی گھنٹے مسلسل کام کرنے کے بعد جب آپ کہتے ہیں کہ ہمارا دماغ تھک گیا ہے تو درحقیقت اس وقت آپ کا دماغ تھکا نہیں ہوتا بلکہ تھکن آپ کے باقی جسم، آپ کی آنکھوں، گردن اور کمر کے پٹھوں میں ہوتی ہے اور آپ کا دماغ ان کی تھکاوٹ کا احساس دلاتا ہے۔

ایک خاتون کو کہا گیا کہ وہ مسلسل، جس قدر ممکن ہو سکے تیزی کے ساتھ دو اور چار کو ضرب دے اور اس نے لگاتار 12 گھنٹے یہ کام کیا۔ اس دوران اس کی کارکردگی میں معمولی سا فرق دیکھا گیا۔ 12 گھنٹے بعد اس نے بھوک اور جسمانی تھکاوٹ کے باعث اس کام کو چھوڑا۔

جسے ہم دماغی تکان کا نام دیتے ہیں یہ محض بوریت کے سوا کچھ نہیں۔ مشکل کتاب پڑھتے ہوئے آپ اس کشمکش کا شکار ہوتے ہیں کہ مطالعہ کو جاری رکھا جائے یا ترک کر دیا جائے۔ کیونکہ دماغ کہتا ہے کہ پڑھو اور دل کہتا ہے کہ نہ پڑھو۔ ایک ماہر نفسیات کے مطابق دماغی تکان محض خیالات کا تسلسل توڑنے والی قوت سے نپٹنے میں ناکامی اور توجہ کا فقدان ہے۔

ہم دماغ کو کس قدر استعمال کرتے ہیں؟:- ماہرین کے نزدیک ہم اپنے دماغ کا زیادہ سے زیادہ 15-10 فیصد استعمال کرتے ہیں۔ باقی بے کار پڑا رہتا ہے۔

دماغ میں یادداشت کس طرح محفوظ ہوتی ہے۔ ابھی تک مکمل طور پر اس کا علم نہیں ہو سکا۔ ہم اپنے دماغ کے کل خلیوں سے کہیں زیادہ معلومات کو ذخیرہ کر سکتے ہیں۔

ایک اندازے کے مطابق ایک ستر سالہ آدمی کے دماغ میں پندرہ ٹریلین (Trillion) معلومات علیحدہ علیحدہ Bits کی صورت میں رجسٹر کی جا سکتی ہیں۔ اس طرح آپ کی یادداشت آپ کے لئے Treasur House ہے۔ جس کی جسامت اور طاقت انسانی سمجھ سے باہر ہے۔

آپ کا I Q لیول اس قدر اہم نہیں، جتنا آپ سمجھتے ہیں:- ہم میں سے اکثر لوگ کم آئی۔ کیو لیول کی وجہ سے بیجا طور پر احساس کمتری کا شکار ہوتے ہیں۔ درحقیقت اتنا آئی۔ کیو لیول اتنا اہم نہیں۔ جتنا ہم عموماً تصور کرتے ہیں۔

اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ وہ لوگ جن کا آئی۔ کیو لیول کم ہوتا ہے۔ لیکن وہ مسلسل محنت کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی نسبت زیادہ کامیاب ہوتے ہیں۔ جن کا آئی۔ کیو لیول زیادہ ہوتا ہے اور وہ محنت نہیں کرتے۔

مثال کے طور پر سیاستدان جیسے "کرام ول" (Crom Well) "لنکن" (Loncoln) اور "جان ایڈم" (John Adam)، فوجی ہیرو جیسے "ڈراک" (Drake)، "نپولین" (Napolean) اور "نیلسن" (Nelson)۔ لکھاری جیسے "گولڈ سمتھ" (Goldsmith) اور "ایمرسن" (Emerson) اور "تھیکرے" (Thacheray)۔ یہ تمام لوگ خاص ذہانت کے مالک نہ تھے۔ لیکن انہوں نے مسلسل محنت سے دنیا میں ایک مقام حاصل کیا۔

ذہانت کی طبعی بنیاد کیا ہے؟ عام لوگوں کے خیال کے برعکس ذہانت کے لئے بڑی کھوپڑی کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ ذہین لوگوں کے دماغ کے Cerebral Cortex کی ساختوں کا پیچیدہ ہونا ضروری ہے۔ بہت ذہین لوگوں کے دماغ میں خون زیادہ تیزی سے گردش کرتا ہے۔ جو مفید اور اہم اجزاء جیسے گلوکوز، آکسیجن اور دوسرے اہم کیمیکلز (Chemicals) ساتھ لیے ہوتا ہے۔ جو دماغی افعال کی بہتر کارکردگی کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔

یہ ممکن ہے کہ مخصوص ٹیلنٹ کے لوگوں، جیسے ریاضی دان، موسیقار اور ادیب وغیرہ کے دماغ میں متعلقہ مراکز (Centers) میں مخصوص اعصابی دھاگوں (Nerve fibers) کی تعداد زیادہ ہو۔ دماغی ساخت سے ہٹ کر یہ بات بھی اہم ہے کہ آپ نے دماغ کے ساتھ اب تک کیا کیا؟

کیا عمر آپ کے سیکھنے کے عمل کو متاثر کرتی ہے؟:-

عموماً یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ عمر آپ کے سیکھنے کے عمل کو متاثر کرتی ہے اور جوں جوں انسان بوڑھا ہوتا جاتا ہے اس میں سیکھنے کی اہلیت کم ہوتی جاتی ہے۔

آپ ان اعصابی خلیوں کے ساتھ پیدا ہوئے ہیں۔ جو ہمیشہ آپ کے ساتھ رہیں گے ان میں سے صرف چند ایک بیماریوں یا بعض دوسرے عوامل کی وجہ سے مرجائیں گے لیکن خلیوں کی اکثریت وہی رہتی ہے جو جوانی میں ہوتی ہے۔ اس لئے عمر بڑھاپے میں سیکھنے کی اہلیت متاثر نہیں ہوتی۔ بڑھاپے میں ذہنی افعال جو کسی قدر متاثر ہوتے ہیں وہ صرف ذہنی ابتری کی صورت میں نہیں ہوتے بلکہ اس میں جسمانی عوامل بھی کارفرما ہوتے ہیں۔ یہ دونوں عوامل مل کر ہی صورت حال کو پیچیدہ (Serious) بناتے ہیں۔

ریسرچ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ 80-85 فیصد لوگ 70 ویں بہار میں موثر انداز میں پڑھ اور سیکھ سکتے ہیں اور لاکھوں بوڑھوں نے اس بات کو غلط ثابت کر دیا کہ بوڑھے لوگ پڑھ لکھ نہیں سکتے۔ یہ بوڑھے لوگ ہی تو ہیں جنہوں نے بہت سے عظیم کارنامے سرانجام دیے۔

دماغ کے مسلسل استعمال سے ذہنی صلاحیتیں بڑھتی ہیں:-

جس طرح عام پٹھے استعمال کرنے سے ان کی نشوونما میں بڑھوتری اور ان کے استعمال نہ کرنے سے سکڑاؤ (Atrophy) ہو سکتی ہے بالکل یہی صورت حال دماغ کے ساتھ بھی ہے۔

اس بات کو ہم ایسے ثابت کر سکتے ہیں کہ اگر آپٹک نرو (Optic nerve) ابتدائی عمر میں ہی تباہ ہو جائے تو دماغ کے Corspending Visual Area کے خلئے پوری طرح نشوونما نہیں پاتے۔

ہم اپنے دماغ سے جو بھی کام لیتے ہیں یہ ہمارے دماغ کی ورزش ہوتی ہے۔ اگر مشکل کام کریں گے تو یہ زیادہ ورزش ہو گی۔ اگر آسان کام کریں گے تو یہ کم ورزش ہو گی۔

جس قدر آپ دماغ سے زیادہ سے زیادہ کام لیں گے اسی قدر آئندہ اس کام کو کرنا آپ کے کے لئے آسان ہو گا۔ اور اگر ایک دفعہ آپ ناخوشگوار حالت کا مقابلہ کریں گے تو آئندہ اگر ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑے تو آپ پہلے سے بہتر انداز میں اس مشکل سے نپٹ سکتے ہیں۔ یاد کرنے یا یاد رکھنے کی صلاحیت بھی مشق (Practice) سے بڑھتی ہے۔ آپ کی

شخصیت کا ہر پہلو بشمول قوت ارادی (Will Power) دماغ میں ذخیرہ ہوتے ہیں اور یہ بھی مشق (Practice) سے بڑھائی جا سکتی ہے۔

لاشعور۔ ذہن کا سٹور ہاؤس:۔ بلاشبہ آپ کے ذہن کا سب سے عجیب و غریب حصہ لاشعور ہے جو Recoverable Memories پر مشتمل ہے۔ جنہیں ہم کوشش سے discover کر سکتے ہیں۔

ہمارا لاشعور ماضی کے لاکھوں تجربات پر مشتمل ہوتا ہے۔ کچھ حالات (devices) کر سکتے ہیں۔

ہمارا لاشعور ماضی کے لاکھوں تجربات پر مشتمل ہوتا ہے۔

کچھ طریقوں (Devices) کی مدد سے اب ہم اپنے ماضی کے جھروکوں میں جھانک سکتے ہیں۔ ایک طریقہ جسے Free association کہتے ہیں اور اسے سائیکاٹرسٹ استعمال کرتے ہیں اس میں مریض کو بھولی ہوئی چیزیں یاد کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ کچھ ادویات اور ہپناٹزم بھی مریض کے لاشعور کو Explore کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔

ماہرین نفسیات کا خیال ہے کہ ہم اپنے لاشعور کو زیادہ سے زیادہ استعمال کر سکتے ہیں۔ کچھ ایسے لوگ بھی دیکھے گئے ہیں جو اپنے لاشعور سے باتیں کرتے ہیں اور کچھ اپنے معمولات زندگی یعنی سونا، جاگنا اور بری عادتیں یعنی سگریٹ نوشی وغیرہ کو بھی کنٹرول کر سکتے ہیں حتیٰ کہ کئی لوگ اپنے موڈ کو بھی خوشگوار بنا لیتے ہیں۔

پرانا اور نیا دماغ:۔ سادہ تقسیم سے دماغ کو تین حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ اوپری (Upper) درمیانہ (Middle) اور نچلا (Lower)

نچلے حصے میں خودکار افعال یعنی ہچکیوں کا عمل، دوران خون وغیرہ سرانجام پاتے ہیں۔ درمیانی حصہ نچلے حصے کے کام میں حصہ لیتا ہے۔ لیکن پل (Bridge) کا کام کرتا ہے اور پیغامات کو اوپری دماغ تک منتقل کرتا ہے۔

اوپری دماغ (Cerebral cartex) نہایت اہمیت کا حامل ہے اور یہ جانوروں اور انسانوں میں قطعی مختلف ہوتا ہے۔

ابتدائی دور میں یا تو جانوروں میں اس کا معمولی سا حصہ ہوتا تھا۔ یا بالکل نہیں۔ جیسے جیسے ارتقاء آتا گیا یہ نمو پاتا گیا۔ اس لئے اس کو نیا دماغ کہتے ہیں۔

بن مانس (Chimpanzee) اور گوریلا انسان (Gorilla) اوپری دماغ (Cerebral cartex) کا کچھ حصہ رکھتے تھے۔ جیسے جیسے ہمارا نیا دماغ نمو پاتا گیا۔ ہم اپنی پرانی خصوصیات کو کھوتے گئے۔

پرانے دماغ میں خود پسندی جبکہ نئے دماغ میں عزت، خوبصورتی جیسے تجریدی (Abstract) تصورات پائے جاتے ہیں۔ جیسے جیسے نیا دماغ بڑھتا ہے تو پرانے پر غالب آتا جاتا ہے۔

ایک انسان جو جوش میں آکر ایک قتل کا ارتکاب کر لیتا ہے اپنے نئے دماغ کی وجہ سے سوچتا ہے کہ ممکن ہے وہ پکڑا جائے اور اسے سزا بھی دی جا سکتی ہے لیکن تب تک وہ اس بارے میں نہیں سوچے گا جب تک اس کا غصہ فرو نہ ہو جائے۔

یاد رکھئے وہ جذبات جنہیں ہم دبا کر لاشعور میں دھکیل دیتے ہیں وہ وہاں جا کر اور تیز ہو جاتے ہیں اس لئے ہمیں پرانے اور نئے دماغ کا متوازن استعمال کرنا چاہئے۔ جب ان دونوں میں سے کوئی ایک حد سے تجاوز کر جائے تو انسان کی عظمت اور امتیاز قائم نہیں رہ سکتے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذالکم اللہ

(محمد سلیمان چوہدری، برمنگھم، انگلینڈ)

قرآنی تعلیم کی بنیاد یہ ہے کہ کوئی صاحب اقتدار نہیں مگر ایک اللہ۔ یوں تو یہ چار لفظوں کا چھوٹا سا جملہ ہے، لیکن غور سے سمجھئے تو کائنات کے چاروں گوشے سمٹ کر اس کے اندر آگئے ہیں۔ کوئی ایسی ہستی نہیں جس کے قوانین کی اطاعت کی جائے، مگر ایک اللہ کی ذات (قانون قدرت)۔ اللہ کی ہر ایک صفت جمیلہ کو لے کر الہ کی جگہ رکھتے جایئے، قرآنی تعلیم کا ایک ایک گوشہ مکمل ہوتا چلا جائے گا، یعنی اللہ کے قوانین کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں جس سے شان ربوبیت کا ظہور ہو جائے۔ اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں، پوری کائنات اللہ کے قانون کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ اللہ کے قانون سے رزق کے سرچشمے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ جوں جوں عقل انسانی بڑھتی جاتی ہے توں توں ضروریات زندگی کی بہم رسانی کی راہیں کشادہ ہوتی جاتی ہیں۔ اللہ کے بنائے ہوئے رزق کے خزانوں کے دروازے قانون سے کھلتے ہیں، ان قوانین کو سمجھنے کے لئے یا رزق کے خزانوں کے دروازے کھولنے کی چابیاں عقل و فکر، غور و تجسس اور تدبر و ہنر ہیں۔ انسانی ضروریات کے لئے ہزاروں اشیاء ہیں، زندگی اور طاقت کا راز ان اشیاء کے اندر ہے کسی انسان یا قوم کی ترقی مادی دنیا میں پنہاں ہے، کہیں سے اوپر ہن نہیں برستا جس کو اکٹھا کر کے جھولیاں بھر لیں، مادی دنیا انسان کی محنت سے حاصل ہوتی ہے۔ حاصل شدہ کو اللہ کے قوانین کے مطابق معاشرے میں ضرورت کو پورا کرنے سے اسلامی معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

یہ تقسیم اللہ کے قانون سے بنائی ہوئی حکومت کا کام ہے۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ انسانوں پر حکومت کرنا کسی دوسرے کا حق نہیں۔اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ اللہ کے قوانین کے سوا اور کوئی قانون استعمال نہیں ہونے چاہئیں۔ اللہ کے قانون سے امن قائم رہتا ہے۔ اس امن کو قائم رکھنے کے لئے ایک عبد مومن اپنے پورے علم و یقین کے ساتھ علیٰ وجہ البصیرت، دل کی گہرائیوں سے اعلان کرتا ہے کہ **لا الٰہ الا اللہ** تو اس کا یہ نعرۂ انقلاب فضائے عالم میں تموج کا موجب بن جاتا ہے۔ دنیا کے سب قانون جو انسانوں نے اپنے لئے بنا رکھے ہیں ان سے انکار، ہر خود ساختہ نظام سے بغاوت اس لئے نہیں کہ ان سے ضد یا تعصب ہے، بلکہ اس حقیقت عظمیٰ کے اعلان کے لئے کہ اللہ کے قانون کے مقابلے میں ایسا نظام زندگی وضع ہی نہیں ہو سکتا، جس میں انسانی ذات کی برومندی ہو سکے، یہ کچھ صرف اللہ کے قانون سے ہوتا ہے جس نے انسان کو ذات (Personality) عطا کی ہے۔

مقام انسانیت سے انکار اور اپنے جیسے انسانوں میں سے کسی کے سامنے سرنگوں ہونا، انسانی ذات یا خودی کی انتہائی ذلت ہے۔

شاخ نہال سدرہ ای خاروخس چمن مشو
منکر او اگر شوی منکر خویشتن مشو

جس اللہ نے ہر ذی حیات کے لئے روزی پیدا کر رکھی ہے اس نے حصول رزق کے قانون بھی بنا رکھے ہیں۔ رزق کا حصول تو ان طبعی قوانین سے ممکن ہے مگر اس کی تقسیم کے قوانین بذریعہ وحی دیئے گئے کہ یہ انسانی عقل کے بس کی بات نہیں۔

اللہ کے قانون کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہیں کیا جا سکتا' شرک کو ظلم عظیم کہا گیا ہے۔ شرک کا مطلب ہے روزمرہ کی زندگی کے لئے خود انسان کے بنائے ہوئے قانون برتنا۔ اللہ کے قانون پر عمل نہ کرنا۔ یہ بڑی ذلت کا باعث ہوتا ہے' انسان اپنے مفاد کو سامنے رکھ کر دوسروں کے لئے قانون بناتا ہے' اللہ ایسا نہیں کرتا۔ اللہ کے لئے بنی نوع انسان سب برابر ہیں اور سب کا یکساں مفاد اس کے پیش نظر ہے۔ انسانوں کے قانون میں اپنی ہستی کا انکار اور ان کی خدائی کا اقرار ہے۔

ایسے لوگ دین اللہ کے مقابلے میں انسان کے بنائے ہوئے قانون پر چلتے ہیں۔ یہ ایسا جہنم ہے جس کے شعلے زندگی کے ہر گوشے کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہیں' پھر ایسے جہنم سے نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص قوانین اللہ کی محکومیت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنی زندگی کو اصولوں کی چار دیواری کے ساحلوں میں محصور کر کے کشتی حیات کو رواں دواں' خوشگوار زندگی کی طرف لے جاتا ہے جس کا نام جنت ہے۔ وہاں پر کسی قسم کا خوف و حزن نہیں ہوتا۔ یہاں یاد رہے کہ خوف کسی سے ڈرنے کا نام ہے اور حزن غم کا نام ہے کہ معلوم نہیں کہ کل کیا ہو گا۔ اس کے برعکس جن لوگوں نے اللہ کے قوانین پر یقین کر لیا اور محنت سے کام کیا وہ یقیناً کامیابی کی راہ پائیں گے۔ یہ ایک ایسا سہارا ہے جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔ لیکن ایمان وہی ایمان ہے جس کا سرچشمہ دل کا یقین ہو' ایمان جو دل کی گہرائیوں میں اتر چکا ہو۔ اگر وہ محض زبان کی جنبش تک محدود ہو کر رہ جائے اور زندگی جھوٹ اور فریب پر مبنی ہو تو یہ حیوانوں سے بھی بدتر زندگی ہو گی کیونکہ جھوٹ اور فریب تو حیوانوں میں بھی نہیں ہوتا۔ اسلام ایک سیدھا سا راستہ ہے' جو اس پر چلنا چاہے اپنی زندگی کو خوشگوار بنانا چاہے اس کو جھوٹ اور فریب چھوڑنا ہو گا کیونکہ جس دل میں جھوٹ ہے وہاں اللہ نہیں آتا جس نے جھوٹ چھوڑا اپنے دل کو جھوٹ سے پاک کر لیا سمجھو کہ اللہ دل میں آگیا۔ جھوٹ کو چھوڑنے سے سیرت میں پختگی آجاتی ہے' انسان ایک اعلیٰ شخصیت بن سکتا ہے۔

"تلاش رب سے پہلے اپنی ہستی کی ضرورت ہے"

اگر انسان دل کو جھوٹ سے پاک کر لے اور اللہ کے قوانین کو سمجھنے سوچنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو ہو نہیں سکتا کہ وہ کامیاب زندگی حاصل نہ کر سکے۔ اللہ کے قانون پر چلنا ضروری ہے۔

قرآنی تعلیم اس ضابطہ حیات پر عمل کا دوسرا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی حضور کو دیا۔ عقل و فکر سے کام نہ لینا اٹھ کر کام نہ کرنا اور صرف دعا پر گذارہ کرنا یہ تو اللہ کی کتاب کی تعلیم نہیں ہے۔ کتاب اللہ کہتی ہے کہ جو کچھ مانگتے ہو اللہ کے قانون سے مانگو یعنی اس کے قانون پر چلو۔ قانون پر چلنے کا مقصد ہے اٹھ کر کام کرو۔ محنت کرو' ہمت سے کام لو اور دیانت داری سے ہی حقیقی خوشی ملتی ہے۔ ویسے ہمارے ہاں جو اللہ کی جگہ خدا آگیا تو اس کا مطلب نکال لیا گیا ہے کہ دعا مانگنے سے سب کچھ مل جاتا ہے۔ اللہ نے کہیں نہیں کہا کہ تم جا کر سو جاؤ یا عبادت خانوں میں صرف دعا پر گذارہ کرو ہم تم کو بیٹھے بٹھائے ضروریات زندگی گھر بھیج دیں گے۔ عام سادگی سے کہا جاتا ہے کہ اگر وہ چاہے تو ایسا کر سکتا ہے ذرا سوچو وہ کیسے کر سکتا ہے کس خطے میں وہ زمین کی کاشت کرتا ہے جس سے تمہیں دانے گھر بھیج دے گا۔ عبادت کا مطلب تو قرآنی اصولوں کو سامنے رکھنے کا نام ہے۔

اللہ کے بارے میں انسان جو کچھ بھی سوچے یہ اپنے ذہن کی قیاس آرائیاں ہیں۔ جن کو حقیقت سے کچھ واسطہ نہیں (اللہ اس سے بلند و بالا ہے) قرآن کریم سے باہر جو کچھ بھی اللہ کے متعلق کہا جائے گا' ذہن انسانی کا قیاس ہو گا۔ اللہ وہی ہے جس کے متعلق قرآن کریم نے کہہ دیا کہ اللہ ہی تمہارا رب ہے۔ اسی کا قانون کارفرما ہے اس کے علاوہ تم جن سے مانگتے ہو وہ ذرہ برابر بھی طاقت نہیں رکھتے۔ جو کچھ ملتا ہے انسان کے اپنے کام اور ہمت سے ملتا ہے۔ حلال.... محنت سے کمایا ہوا ہوتا ہے جبکہ حرام.... محنت کے بغیر۔ کھانے سے جان بنتی ہے' کھانا حلال کا ہو یا حرام کا مگر حرام کے کھانے سے اللہ دل سے

اٹھ جاتا ہے' انسان کی خودی مر جاتی ہے' انسانی ذات تباہ ہو جاتی ہے' ذات یا خودی تباہ ہونے سے انسان حیوانی سطح پر آجاتا ہے۔ بس ایک کھانے پینے والا حیوان۔ حیوان قانون قدرت کے سامنے جھکے ہوئے ہوتے ہیں' وہ اپنے اپنے دائرے سے باہر جا ہی نہیں سکتے۔ کھلی چھٹی تو صرف انسان کے لئے ہے چاہے تو کفر اختیار کرے چاہے تو اللہ کو اپنے دل میں رکھے' جو شخص اپنی ذات کا خیال رکھتا ہے کہ اس کو کہیں آنچ نہ آجائے اس کے قدموں پر دنیا کی سرفرازیاں آگرتی ہیں' جن میں دو بڑی نشانیاں ہوتی ہیں پہلی عزت اور دوسری حلال کمائی۔ یہ دو ملنے سے مقام انسانیت اور اللہ کا صحیح تصور ملتا ہے اور یہ خوشی کی زندگی بسر کرتا ہے جس کو جنتی زندگی کہتے ہیں' اپنی زندگی کی جنت اور آنے والی نسلوں کی بھی جنت۔

انسان جو کچھ کرتا ہے' اس کے کاموں کا اثر اس کی اپنی ذات پر پہلے اور ساتھ ہی اس کی اولاد پر بھی پڑتا ہے۔ حال اور مستقبل دونوں جنت اور جہنم کا موجب بن جاتے ہیں۔ اللہ رحیم ہے کیونکہ انسان کو آزادی دے کر اکیلا نہیں چھوڑا۔ اپنے نبیوں کے ذریعے اللہ نے انسانی ذات کو مستحکم بنانے کے لئے اصول دیئے ہیں جو سب کے سب قرآن کریم میں آگئے ہیں جو کاروان انسانیت کے لئے بانگ درا بن گیا' اس ساز حقیقت نواز کا نام القرآن العظیم ہے۔

یاد رکھئے جو شخص اپنی ذات اپنی خودی کا اپنی عزت کا منکر ہے وہ کبھی بھی اللہ پر ایمان نہیں لا سکتا' باوجود دعوے کے وہ جھوٹا ہے۔ بس کھانے پینے والا حیوان ہے چاہے وہ کتنا ہی عبادت گذار ہی کیوں نہ ہو۔

لیکن جو شخص اپنی ذات کو مستحکم رکھے ہوئے ہو اس کے متعلق توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ ایک دن مومن اللہ ہو جائے گا اور ایسا قرآنی اصولوں پر چلنے ہی سے ممکن ہے۔

قرآنی اصولوں پر چلنے سے ہی وحدت انسانیت پیدا ہو سکتی ہے۔ یعنی اللہ کے دیئے ہوئے قانون کو بطور معیار اپنے سامنے رکھنے سے وحدت انسانیت ممکن ہے قرآنی تعلیم کا مقصود و منتہیٰ یہ ہے کہ تمام بنی نوع انسان ایک ضابطہ حیات پر چل کر ایک عالم گیر برادری بن جائیں اور اس طرح وہ تمام اختلافات مٹ جائیں جن کی وجہ سے آج دنیا درندوں کا جنگل بنی ہوئی ہے۔ انسان نوع انسان کا شکاری بنا ہوا ہے۔

ضروری اطلاع برائے خریداران

جن احباب کو نظام ڈاک کے کسی سقم کی وجہ سے پرچہ نہ ملے وہ دس تاریخ تک انتظار کرنے کے بعد ناظم ادارہ کو پرچہ نہ ملنے کی اطلاع بھیجیں۔ جن خریداران سے یہ اطلاع پندرہ تاریخ تک پہنچ جائے گی انہیں بیس تاریخ تک پرچہ ڈاک سے بلا قیمت دوبارہ ارسال کیا جائے گا۔ لیکن پندرہ تاریخ کے بعد رپورٹ آنے کی صورت میں یہ اگلے شمارہ کے ساتھ قیمتاً بھیجا جائے گا۔

طلوع اسلام کا نیا شمارہ ہر ماہ کی آخری تاریخوں کو انتہائی احتیاط کے ساتھ چیک کر کے حوالہ ڈاک کیا جاتا ہے۔

(ادارہ طلوع اسلام)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بتان عجم کے پجاری

(افتخار حسین' چنیوٹ)

ویسے تو تمام دن جو سال میں آتے ہیں ایک جیسے ہوتے ہیں۔ مگر کچھ دن تاریخی اور قومی حوالوں سے اہم ہوتے ہیں۔ کچھ دن دینی یا مذہبی حوالوں سے اہمیت رکھتے ہیں۔ ان دنوں کو خصوصی اہمیت حاصل ہوتی ہے اور قومیں اس دن کو تہوار کے طور پر مناتی ہیں۔ ہر مذہب کے لوگ ان دنوں کو اپنے اپنے رسم و رواج کے مطابق بطور تہوار مناتے ہیں۔

ہمارے بھی تاریخی اور دینی اہمیت کے بہت سے دن ہیں جن کو ہم تہوار کے طور پر مناتے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن حکیم میں کچھ دنوں کو ایام اللہ یعنی اللہ کے دن کہا ہے۔ اللہ کریم نے ایام اللہ تاریخ کے ان ناقابل فراموش واقعات کو قرار دیا جن میں انقلاب خداوندی برپا ہوا۔ سورۃ یونس 58- اور خود خدا نے نوع انسانی کو کہا کہ تم نزول قرآن کی خوشی میں عید مناؤ اور مسرتوں کے جھولے جھولو۔ سورۃ حس۔ 36- مگر اللہ کے قوانین کی حد میں رہتے ہوئے۔ اسی حوالے سے 12 ربیع الاول وہ ناقابل فراموش دن ہے۔ جب ظلمت کے اندھیروں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت نے جوش مارا اور محسن انسانیت خاتم النبین سید المرسلین نے بی بی آمنہ کے بطن سے جنم لیا۔ مسلمانوں کے لئے یہ دن بہت خوشی اور عظمت کا دن ہے۔ کیونکہ اس دن سے ابتداء ہوئی غلاموں کی آزادی کی جن کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا تھا اور ان کی اپنی کوئی حیثیت نہ تھی' ابتدا ہوئی عورت کی عظمت کی جسے اس وقت تک زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ ہر روپ میں اسے کمتر خیال کیا جاتا تھا۔ ابتداء ہوئی شرک و بدعت کے خاتمہ کی' لات و منات لرز اٹھے' بتان عجم کے پجاریوں پر کپکپی طاری ہوئی' ایرانی آتش کدوں کی آگ ٹھنڈی ہوئی اور آتش پرست خوف کھا گئے کہ اب ایک اللہ کی اطاعت کرنا پڑے گی۔ بلا شبہ یہ دن ہمارے لئے بہت خوشیوں کا دن ہے۔ کیونکہ یہ ابتدا تھی اس خدائی نوید اور عید کی جسے پہلے بیان کیا گیا ہے۔ اسے عید کی مانند منانا چاہئے مگر اللہ کے قوانین کی حدود میں رہتے ہوئے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں۔ (ترجمہ) "شیطان کے ساتھیوں کی اطاعت کرو گے تو مشرک ہو جاؤ گے۔" سورۃ الانعام 22' "اور شیطان کا اتباع کرنے والے جہنمی ہیں"۔ سورۃ الاعراف 18' ہر سال یہ دن آتا ہے اور پہلے کی طرح گذر جاتا ہے اور اپنے پیچھے انسانیت کی تذلیل' عورتوں کی بے حرمتی' مذہب کے نام پر قتل و غارت گری' معاشرتی ناہمواری کی کئی داستانیں چھوڑ جاتا ہے۔ دوسرے شہروں کا تو مجھے علم نہیں مگر میں اپنے شہر میں کچھ سالوں سے دیکھ رہا ہوں کہ ہر سال یہاں 12 ربیع الاول کے حوالے سے خرافات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ امسال 12 ربیع الاول کی صبح میں تو اسے ابھی رات ہی کہوں گا تین بجے کے قریب آتش بازی کے دھماکوں نے اہل شہر کو ہلا کر رکھ دیا۔ بچے خوف زدہ ہو گئے' بیمار بلبلا اٹھے' خواتین حواس باختہ ہو گئیں۔ جوان سمجھے شاید جنگ شروع ہو گئی ہے۔ پھر محلے کے ایک آدمی نے بتایا وہ بولا ارے "کافرو" تمہیں اتنا بھی علم نہیں کہ آج اس وقت حضورؐ پر نور کی پیدائش ہوئی ہے۔ یہ آنحضور ﷺ کے لئے آتش بازی کر رہے ہیں۔ سبحان اللہ

کیا انداز ہے آنحضور ﷺ کو خوش آمدید کہنے کا۔ یار لوگوں نے کہا کہ یہ آتش بازی تو ہندو دیوالی پر کرتے ہیں۔ ایرانی جشن نو روز پر، چینی اور جاپانی اپنے مرے ہوئے بزرگوں کی روحوں کو خوش کرنے کے لئے (اوا متری) اور عیسائی نیو ایئر پر۔ مسلمانوں میں یہ کہاں سے آگئی۔ بولے ہم ان سے کمتر تھوڑی ہیں۔ وہ مذاہب ایسا کرتے ہیں تو ہم کیوں نہ کریں اور یہاں تو ہم دوسرے فرقوں کو جلانے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں خداوند کریم نے ہمارے بارے میں ہی تو فرمایا ہے (ترجمہ) "انہوں نے علم آچکنے کے بعد بھی آپس کی ضد کی وجہ سے تفرقہ ڈالا۔" سورۃ الشوریٰ 14- مگر ہم اپنوں کی ضد اور غیروں کی نقالی کی وجہ سے برباد ہو رہے ہیں اور دین خداوندی کو چھوڑ کر کسی اور سمت پر چل رہے ہیں۔

صبح ہوئی تو میلادالنبی کا جلوس، جن کے شرکاء کی اکثریت منچلے نوجوانوں پر مشتمل تھی بازار سے گزر رہا تھا۔ راستہ چلتی عورتوں نے ایک کونے میں جلوس سے پناہ لی مگر پھول برساتے شرکاء جلوس نے جن کے لبوں پر نعت رسول مقبول ﷺ تھی، عورتوں پر بھی پھول اور عرق گلاب چھڑکا دیا۔ بھارت میں ہولی کے تہوار پر کسی مسلمان عورت پر کوئی ہندو رنگ پھینک دے تو ہندو مسلم فساد ہو جاتا ہے اور درجنوں مسلمان نوجوان شہید ہو جاتے ہیں اور کئی ہندو مارے جاتے ہیں۔ مگر یہ تو اپنے مسلمان ہیں جو چاہیں کریں۔ ثواب کی خاطر۔ سارا دن حلوے، پلاؤ، زردے، کھیریں پکتی ہیں۔ انسان تو انسان محلے کے جانور اور پرندے بھی پیٹ بھر چکے۔ اب گلیوں کی نکڑوں پر کہیں حلوہ پڑا ہے اور کہیں زردہ، پلاؤ انسانوں کے پاؤں تلے مسلا جا رہا ہے۔ امسال سندھ اور بلوچستان میں خشک سالی سے قحط پڑا وہاں کے بعض گھروں میں کھانے کو ایک دانہ بھی میسر نہیں۔ کیا جانور کیا انسان سب بھوک اور پیاس سے مرتے رہے اور ابھی تک وہ مشکل حالات سے گزر رہے ہیں۔ مگر ہمیں کیا! ہم نے تو محرم پر سبیلیں لگا کر اور نیازیں بانٹ کر اور اب عید میلادالنبی پر حلوے اور زردے پکا کر، جلوس نکال کر، جھنڈیاں اور چراغاں کر کے حق ادا کر دیا ہے اور ثواب کما لیا ہے۔

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

یہ کام کوئی ایک فرد نہیں کر رہا بلکہ پوری قوم کسی نہ کسی انداز سے بقول علامہ اقبالؒ بتان عجم کی پجاری بنی ہوئی ہے۔ حقیقی دین "اسلام" پاکستان میں ایک فراموش شدہ چیز بن گئی ہے۔ برصغیر کے مسلمان کئی صدیوں سے قدیم ایرانی روایات کے اثر میں ہیں اور ان کو دین اسلام اور اس کی غرض و غایت سے آشنائی نہیں۔ آج دین کو ہم نے بت پرستانہ مذہب کی حیثیت سے اختیار کر رکھا ہے۔ جس کی وجہ سے پاکستان دن بدن تباہی و بربادی کی طرف جا رہا ہے۔

ملک تو ملک رہا ہم تو اپنے قرب و جوار سے بھی غافل ہیں۔ ہمسایہ بھوکا ہے۔ اس کے بچے بغیر علاج کے تڑپ رہے ہیں۔ بھائی تنگ دست ہے اس کے پاس پہننے کو کپڑے نہیں مگر ہم نے تو ثواب کما لیا ہوا ہے۔

12 ربیع الاول کا دن ڈھلا تو مساجد سے ملحقہ گلیوں میں چراغاں، عروسی جھنڈیاں، مختلف قسم کے مصنوعی گیٹ، خانہ کعبہ اور مسجد نبویؐ کے ماڈل اور خانہ خدا کے ماڈل میں طواف کرتے انسانوں کے ماڈلز اور مجسمے۔ فطرت انسان میلوں کی شوقین ہے۔ ان میلوں میں عورتوں کا ہجوم اور عورتوں کے ساتھ نوجوانوں کی اکثر بدتمیزیاں۔ ذرا غور کریں کہ ہم کس کے پیروکار ہیں؟

اس دن محسن انسانیت اس دنیا میں تشریف لائے اور رفتہ رفتہ حکم خداوندی سے انسانیت کو قوس قزح کے رنگوں میں رنگ دیا مگر ہم اپنی انا پرستی کی وجہ سے ننگ انسانیت بن گئے۔

اس سارے دن کے تمام عمل میں دولت اور وقت کا ضیاع، کیا ہم ان چیزوں کے متحمل ہو سکتے ہیں؟ اللہ تبارک و تعالیٰ نے بے جا اسراف کے متعلق قرآن حکیم میں فرمایا ہے۔ ترجمہ۔ کھاؤ، پیو، لیکن حد سے نہ بڑھو اور نہ ہی انہیں رائیگاں جانے دو اور ان سے مفید مقاصد حاصل کرو۔ سورۃ الاعراف۔ 31-

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی تمام محسوس عبادات میں، خلوص پیدا کرنے اور ریا کاری ختم کرنے کے لئے حکم فرمایا ہے۔ مگر شیطان کے غلاموں نے اسے ریا کاری' دکھاوا اور معاشرہ میں بڑائی کا احساس اجاگر کرنے کا ذریعہ بنا لیا ہے اور اپنے جذبات کے غلام بن گئے ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے۔

ترجمہ۔ ہدایت خداوندی کو چھوڑ کر اپنے جذبات کا اتباع کرنا تباہی کی طرف لے جاتا ہے۔ سورۃ بقرہ۔

اور ان سے ظالم کون ہو گا جن کو اپنے رب کی آیات سے نصیحت کی جائے مگر پھر بھی۔ وہ ان سے روگردانی کرے۔ سورۃ الکھف۔ 57-

آخر میں میں تمام پڑھنے والوں سے گذارش کروں گا کہ جذبات سے نہیں عقل سے سوچئے اور پرکھئے کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور کیا بن رہے ہیں اور کہاں سے چلے تھے اور کن اندھیروں میں گم ہو رہے ہیں۔ بقول کسے :

اسی اک آس پر سلگا رہا ہوں دل کی چنگاری
کبھی تو آگ بھڑکے گی کبھی تو روشنی ہو گی

سانحہ ہائے ارتحال

محترم محمد اسلم صابر صاحب سابق نمائندہ بزم طلوع اسلام بورے والہ (سینئر) کی والدہ محترمہ ڈیڑھ ماہ کی علالت کے بعد ۲ جولائی کو وفات پا گئیں۔ دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ مرحومہ کو اپنے سحاب کرم سے نوازے ادارہ اسلم صابر اور مرحومہ کے دیگر لواحقین کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

طلوع اسلام کے دیرینہ قاری اور بزرگ حافظ محمد جمال نظامیؒ صاحب وفات پا گئے ہیں۔ مرحوم تادم آخریں فکر قرآنی کی اشاعت کے لئے کوشاں رہے۔ دائرہ دین پناہ میں طلوع اسلام کتب' کیسٹ لائبریری انہیں کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ ادارہ مرحوم کے اعزہ و اقارب کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

حکیم عبدالمجید ۱۴ اگست کو تقریباً پچاس برس کی عمر میں داغ مفارقت دے گئے مرحوم پشاور بزم کے بانی اراکین میں سے تھے۔ اقبالؒ کے شیدائی تھے۔ اقبال کے ہزاروں اشعار زبانی یاد تھے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب ہو۔ ادارہ مرحوم کے اعزہ و اقارب کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

(ادارہ طلوع اسلام)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(جواں فکر)

قرآنی معاشیات

ایم۔ ساجد رزاق' بی۔ اے فائنل' ایبٹ آباد

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اس کرہ ارض پر زندگی کے مشروط وجود کے لئے جہاں اور بہت سی چیزیں ہیں وہاں ایک عیش بھی ہے۔ یعنی روٹی۔ زندگی کا دارومدار صرف سامان معیشت پر ہے جس میں روشنی' پانی' ہوا' حرارت اور غذا وغیرہ شامل ہیں۔ باقی چیزیں تو فطرت کی طرف سے تقریباً تیار ملتی ہیں۔ مگر غذا کے لئے انسان کو تگ و دو کرنا پڑتی ہے۔ روز اول سے جب انسانی اختلافات نے جنم لیا وہیں سے روٹی کا مسئلہ انتہائی اہمیت اختیار کر گیا۔

یہ قرآن حمید کا ہی کمال ہے کہ اس مشکل مسئلہ کا ایک انتہائی اہمیت کا حامل حل پیش کیا گیا۔ یہ قرآن کا اعجاز اور علامہ غلام احمد پرویز' بابا جی کا ایک ایسا احسان ہے کہ جس کا بیان ناممکن ہے۔ قرآن کا احسان ساری کائنات مل کر بھی نہیں اتار سکتی۔ ہاں ہم بابا جی کی روح کو آرام دے سکتے ہیں۔ انہیں شادمان کر سکتے ہیں۔ اس طرح کہ قیامت کے دن محمد رسول اللہ ﷺ ہماری طرف اشارہ کر کے یہ نہ کہہ سکیں کہ اے خدا یہ میری وہ قوم ہے جس نے قرآن کو مہجور کر دیا تھا۔ وہاں بابا جی یہ نہ کہہ سکیں کہ میرے شاگردو تم نے شاگردی کا حق ادا نہیں کیا۔

جنت آدم کی خاصیت ہی یہ تھی کہ اس میں بنیادی ضروریات زندگی کی فراوانی تھی اور باآسانی میسر تھیں۔ 20:1' ان میں باہمی تضاد تھا نہ تصادم نہ اختلاف اور نہ افتراق۔

ان جنتی زندگی گذارنے والوں سے یہ کہہ دیا گیا کہ اگر تم نے باہمی اختلاف کیا تو عذاب ذلت میں مبتلا کر دیئے جاؤ گے۔ جنت تم سے چھین لی جائے گی۔ اور تم پھر جانکاہ تکلیفوں میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ (20:117)-اور اس طرح خود اپنے ہی ہاتھوں اپنے آپ پر زیادتی کر بیٹھو گے اور وہ ظلم' وہ زیادتی ہم خود پر کر چکے ہیں۔ یہ مسئلہ اتنا اہم تھا کہ حضرت ابراہیمؑ ہمارے جد امجد نے تعمیر کعبہ کے بعد آنے والی نسل کے لئے رزق کی فراوانی ہی کی دعا فرمائی کہ:

اے وہ جو تمام کائنات کا سامان نشوونما بہم پہچانے والا ہے' تو ایسا کر دے کہ ستائے ہوئے انسانوں کے لئے امن اور پناہ کی جگہ بن جائے (95:3)- مگر صرف ان کے لئے جو تیری صداقتوں پر یقین رکھیں خواہ وہ کہیں کے رہنے والے کیوں نہ ہوں (22:25)- انہیں زندگی کی آسائشیں اور فراوانیاں عطا کر۔ خدا نے بہت سی قوموں کو رزق کی فراوانیاں عطا کیں مگر وہ اس کے باوجود تباہ ہو گئیں۔ وہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ انہوں نے سامان نشوونما کو اکٹھا کر کے صرف اپنی اپنی ذات کے لئے مقید کر لیا تھا اور اقدار خداوندی کو بھول گئی تھیں۔ وہ بھول گئے تھے کہ ایک مضبوط ڈیم کو بھی پانی توڑ دیتا ہے۔ رزق کی فراوانی کے ساتھ رزق کریم بھی ہونا چاہئے۔ اقبالؒ کی زبانی ۔

اے طاہر لا ہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

آپ روزانہ مذہبی دنیا کے خدائی فوجداروں کے وعظ و نصیحت میں روزانہ ہی یہ الفاظ کئی بار بلا سوچے سمجھے سنتے ہوں گے۔ جو جتنا غریب ہو وہ اتنا ہی اللہ کے ہاں مقرب اور قریب ہوتا ہے۔ جو جتنا بھوکا رہے اتنا ہی ولی' پیر اور فقیر ہوتا ہے۔ مگر

اس بات کا ثبوت کیا ہے۔ آیئے ثبوت کے لئے آخری حجت' آخری سند' مکمل اور مفصل ضابطہ حیات کی طرف آئیں کہ وہ کیا کہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ

جو یہاں اندھا ہو گا وہ وہاں بھی اندھا ہو گا۔ یہاں کا ذلیل وہاں بھی' یعنی دنیا کا ذلیل آخرت میں بھی ذلیل ہو گا۔ (20:124)۔

مذہبی دنیا کا' مذہب کے داعیان کا' مذہب کے وکیلوں کا اتنا بڑا دھوکہ اتنا بڑا فریب۔ مگر جو قوم ہو ہی فریب خوردہ' مٹتی ہوئی قوم' تباہیوں کی طرف گامزن قوم اسے اس فریب کی کیا پرواہ۔ قرآن کریم کا آغاز ہی اللہ کی شان ربوبیت سے ہوتا ہے۔ یعنی سامان نشوونما مہیا کرنے والا۔ اور ایسا انتظام کرنے والا کہ دنیا کا اور کوئی نظام نہ کر سکے۔ ہر ذی حیات کو رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی ہے۔ (11:6)۔ انسان بھی شامل ہے (6:152)۔ یعنی ہمارا نظام تمہارے اور تمہاری اولاد کے رزق کا ذمہ دار ہے۔ (17:81)۔

خدا کسی کو بذات خود رزق نہیں پہنچاتا بلکہ انسانوں کے ہاتھوں' اپنے نظام کے ہاتھوں یہ رزق پہنچاتا ہے۔ اسلامی مملکت کا فریضہ ہی ایتائے زکوٰۃ ہے۔ خود ساختہ اور دھوکہ پر مبنی اڑھائی فیصد پر نہیں۔ ایتائے زکوٰۃ یعنی سامان نشوونما بہم پہنچانے والے۔

حضور ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی خود ساختہ غلامی کے طوق سے انسانیت کو آزاد کرنا تھا۔ انسانیت اپنے ہی جیسے انسانوں کے ہاتھوں کچلی اور روندی جا رہی تھی۔ انسانیت کے بلند و بالا مینار گرنے والے تھے۔ آدمیت جہنم کے دھانے پر پہنچ چکی تھی۔ سرمایہ دار مزدوروں کی ٹوٹی ہڈیوں پر' سسکتے ارمانوں پر اور مچلتے لاشوں پر پرشکوہ محلات کی تیاری میں گم تھا۔ حضور ﷺ نے قرآن کی مقدس روشنی میں ان سرمایہ داروں کو عرب و عجم سے نکال دیا۔ ان شکست خوردہ لوگوں کو دوبارہ انسانیت کے عروج تک پہنچایا۔ قرآن نے کہا کہ مال و دولت مت جمع کرو بلکہ احترام آدمیت کا تقاضا ہے کہ مال کھلا رکھو۔ حضور ﷺ نے ان کی تجوریوں کے ٹکڑے کر دیئے۔ یہ بہت سنگین جرم تھا۔ معمولی جرم نہ تھا۔ ان سرمایہ داروں کے شاطر ہتھکنڈوں اور شیطانیت کا' قرآن نے یوں پردہ چاک کیا کہ اقبال کہنے پر مجبور ہو گیا کہ۔۔

دست دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی
اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکوٰۃ
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات
اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

معزز قارئین کرام! میں معاشیات کا طالب علم ہوں اور جانتا ہوں کہ اکنامکس (Economics) کی ریڑھ کی ہڈی فائنل دولت ہے۔ اسی دولت سے پھر لوگ جاگیریں خرید کر ان کے الٰہ بن بیٹھتے ہیں۔ یہی دولت پھر تمام سامان معیشت پر بند لگانے کا سبب بنتی ہے۔ آپ فرض کریں کہ میں ایک بوتل میں پانی ڈال کر اسے ایک تنگ و تاریک جگہ پر رکھ دوں۔ اور پھر کافی عرصہ کے بعد جب اسے نکالوں تو آپ جانتے ہیں کہ کیا ہو گا۔ اس میں کائی جمی ہو گی' رنگ کالا' انتہائی غلیظ بدبو پیدا ہو گئی ہو گی۔ اب یہ پانی استعمال کریں تو آپ جانتے ہیں کہ معاشرہ کا کیا حال ہو گا۔ ایک سے بڑھ کر ایک حیرت انگیز بیماریاں۔ ظاہر ہے کہ جو پانی بہتا رہنا چاہئے تھا اس پر بند لگا کر رکھ دیا گیا اب یہ پانی کا قصور تو نہیں قصور وار تو وہ ہاتھ ہیں جو ایسا کرتے ہیں۔ اور ہم ساری عمر اجلاس پر اجلاس اور کارروائیاں کرتے رہتے ہیں کہ ان بیماریوں کی وجہ کیا ہے۔ اس چیز کو قرآن نے قارون کی زبانی پیش کیا۔ اور اس کا جو حشر ہوا وہ ہم سب جانتے ہیں۔ ہماری بھی وہی حالت ہے۔ سارے فساد کی جڑ (Unequal distribution of wealth) ہے۔ جس کا ذکر قرآن کریم نے یوں کیا کہ۔ دولت صرف اوپر کے طبقہ میں ہی گردش نہ کرے۔ (59:7)۔

ہمارا موجودہ حال اسی وجہ سے ہے۔ امیر' امیر سے امیر تر اور غریب غریب تر۔ یہ دولت کی محبت ہے کہ جس طرح اللہ

فرماتے ہیں کہ **واشر بو فی قلوبھم العجل**۔ اسی طرح دولت کی محبت ان لوگوں نے دھو کر پی لی ہے۔

یہ آج ہنگامے' یہ ہڑتالیں' یہ گمراہی کیوں ہے۔ ساری عمر یہ لوگ میرے ملک کو دونوں ہاتھوں سے لوٹتے ہیں جب اس ملک کو ضرورت ہو تو یہ لوگ ہڑتالیں کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو' ان دولت کے پجاریوں کو سخت سزا دینا چاہئے۔

یہ مال و دولت آخر کس کے پاس ہو اس کا جواب بھی قرآن دیتا ہے کہ۔ مال دولت کو اجتماعی ملکیت میں ہونا چاہئے۔ (4:5)-

قرآن کریم میں ہے کہ : یہ بھی یاد رکھو کہ مال کو خدا نے تمہاری قومی معیشت کا ذریعہ بنایا ہے۔ اس سے قومیں اپنے پاؤں پر کھڑی ہوتی ہیں۔ اس لئے اسے ایسے لوگوں کی تحویل میں نہ دو جو اس نظام کی سوجھ بوجھ نہ رکھتے ہوں۔ ایسے لوگوں کی روٹی' کپڑے کا صحیح انتظام کر دیا کرو۔ (4:5)-

یہی وہ معاشی نظام ہے جس کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ

اے نبی یہ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہم کس قدر کھلا رکھیں دو کہ زائد از ضرورت سب کا سب۔

ینفق کا مادہ ہی نفق سے ہے ایسی چیز جو دونوں سے کھلی ہو۔ ایک طرف سے مال آئے اور دوسری طرف نکل جائے۔

اس کے مقابلے میں لفظ ہے بخل یعنی رکاوٹ' بند' صرف اپنے لئے مختص کر لینا۔ سمیٹ کر رکھ لینا۔ جو اسے اللہ کے فضل و کرم سے عطا ہوا اسے سمیٹ کر رکھ لینا۔

زمین تمام افراد کے رزق کا ذریعہ ہے کسی کی ذاتی ملکیت نہیں۔ (20:54,15:20)

خدا کی زمین خدا کی مخلوق کے لئے۔ (7:73)-

بخل کا نتیجہ الم انگیز تباہی اور درد ناک عذاب۔

زمین کی ملکیت شرک۔ (2:22)-

جان دی' دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اشتہارات کے نرخ یہ ہیں

صفحات	ایک بار	سال بھر کے لئے
باہر (ٹائٹل)	۸۰۰ روپے	۶۰۰۰ روپے
اندر (ٹائٹل)	۶۰۰ روپے	۵۰۰۰ روپے
اندر کے صفحات	۵۰۰ روپے	۴۰۰۰ روپے
نصف صفحہ	۳۰۰ روپے	۲۰۰۰ روپے

مذکورہ شرح ایک رنگ کے اشتہار کے لئے ہے۔ اجرت اشتہار مسودہ کے ہمراہ ارسال فرمائیں۔

(سرکولیشن منیجر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حقائق و عبر

ستارہ کیا تری تقدیر کی خبر دے گا

ایک خبر ہے کہ اٹک قلعہ میں معزول وزیراعظم سے ملاقات کر کے انہیں مستقبل کا حال بتانے والے ایوب نامی ایک جوتشی کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ اس سے پہلے بھی اسی طرح ایک سندھی جوتشی کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔

اس خبر میں حیرت اور تاسف کا ایک جہان آباد ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ نواز شریف کو مستقبل کا حال بتانے والا خود اپنے حالات سے بے خبر رہا اور اس طرح خود گرفتار ہو گیا۔ دوسرے یہ کہ پاکستان کے "مرد آہن" کہلانے والے کن حالوں کو پہنچ گئے ہیں کہ اپنے پیدا کردہ حالات کے موج دریا میں غرقاب ہونے سے بچنے کے لئے تنکوں کا سہارا ڈھونڈ رہے ہیں۔ انہیں شائد معلوم نہیں ہے کہ مکافات عمل کا قانون اٹل ہے۔ جو بویا ہے اسے کاٹنا ضرور ہے۔ جہاں تک علم نجوم کا تعلق ہے تو ہم علامہ اقبال کے ایک شعر پر ہی اکتفا کریں گے۔

ستارہ کیا تری تقدیر کی خبر دے گا
وہ خود فراخی افلاک میں ہے خوار و زبوں

ذمہ دار کون؟ علماء یا عوام!

گورنر پنجاب کے ایڈوائزر علامہ طاہر محمود اشرفی صاحب کا گذشتہ روز کے اخبارات میں ایک بیان شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے عوام سے اپیل کی ہے کہ وہ فرقہ وارانہ تشدد کے خاتمے میں حکومت کی مدد کریں۔ اس سے پہلے کی اخباری رپورٹوں کے مطابق علامہ صاحب' علماء صاحبان میں قومی یک جہتی اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی مساعی میں مشغول نظر آتے رہے مگر اب یوں لگتا ہے کہ وہ علماء کرام سے مایوس ہو گئے ہیں اور فرقہ وارانہ تشدد کے خاتمہ کے لئے عوام سے اپیلیں کر رہے ہیں۔ حالانکہ انہیں اچھی طرح علم ہے کہ علماء ہی فرقہ واریت کے' شرک سے بھی بڑے' جرم کا اصل باعث ہیں۔ عوام بے چارے' جن کے دلوں پر مذہبی پیشواؤں کی حکومت ہے' از خود کبھی فرقہ وارانہ تشدد میں ملوث نہیں ہوتے۔ یہ علما ہی ہیں جو سادہ لوح عوام کے دینی جذبہ و خلوص کا استحصال کرتے ہیں اور اپنی سیاسی دکانیں چمکاتے ہیں۔ ان علماء نے موجودہ حکومت کے عبوری آئین میں' جب تک 73ء کے آئین کی اسلامی دفعات شامل نہیں کروا لیں چین سے نہیں بیٹھے۔ اس لئے کہ ان دفعات میں مذہبی فرقوں کا وجود تسلیم کیا گیا ہے اور ان کو آزادی دی گئی ہے کہ ہر فرقہ اپنے اپنے مذہب و فقہ کے مطابق اپنے فیصلے کرنے کا حق رکھتا ہے۔ آپ خود سوچئے کہ اس شق کے ہوتے ہوئے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں دین واحد کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر ہو سکتا ہے؟ P.C.O میں مذکورہ اسلامی دفعات کی شمولیت پر علمائے کرام کا جشن مسرت ابھی تک ختم ہونے میں نہیں آرہا۔ حکومت وقت پر علماء کرام کی جانب سے ابھی تک تحسین و آفریں کے ڈونگرے برس رہے ہیں۔ شاید یہی باعث ہے کہ علامہ طاہر محمود اشرفی صاحب اپنے طبقہ علماء سے مایوس ہو کر راجع الی العوام ہوئے ہیں۔

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی

صاحبزادہ خورشید گیلانی روزنامہ انصاف میں قلم برداشتہ لکھتے ہیں:

"نجانے لوگوں کو از خود اپنے نام کے ساتھ القاب و خطابات لکھنے اور لکھوانے کا شوق کیوں ہے؟ یہ کوئی حیاتیاتی نقص ہے یا نفسیاتی پرابلم؟ ہمارے کئی پیر صاحبان اپنی نگرانی میں اپنے القاب لکھواتے ہیں۔ مثلاً غوث زمان' زبدۃ العارفین' پیر طریقت' رہبر شریعت' ولئ کامل وغیرہ۔ اسی طرح بعض مقررین کو اس کا بڑا چسکا ہوتا ہے۔ ایک صاحب تو اپنے آپ کو "خطیب ارض و سما" کہلواتے ہیں۔ اب اللہ جانے اس کا کیا مطلب ہے؟ حالانکہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا' گل لالہ بازار سے مہندی لے کر نہیں لگاتا' اس کی حنا بندی خود فطرت کرتی ہے' خوشبو خود بخود بکھرتی ہے' اشتہار سے نہیں نکھرتی۔ غالب کے لئے عمر بھر مسئلہ رہا کہ کوئی اس کا دیوان چھاپ دے' مگر آج ادب کی دنیا میں اس کا سکہ رواں ہے۔ کیا جس کے دس بیس دیوان چھپ گئے' وہ بڑا شاعر ہے یا غالب؟..... میں بہت سے ایسے "علامہ صاحبان" کو جانتا ہوں اور میرے قارئین میں سے ہر ایک اپنے گرد و پیش میں ایسے حضرات سے واقف ہوں گے کہ علامہ تو کہلواتے ہیں' مگر خود اس کا تلفظ ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ مثلاً بعض علامہ صاحبان وہ ہیں جو علم' ادب' تحریر' تقریر کسی بھی شعبے میں کچھ نہیں بن سکے۔ انہوں نے سوچا چلو علامہ ہی بن جاتے ہیں اور اپنے خیال میں شاید بن بھی گئے ہوں۔ بعض وہ ہیں جو روزانہ گھر سے سائیکل یا ویگن پر سوار ہو کر نکلتے ہیں' راستے میں کسی دوست سے اپنا بیان لکھواتے اور اخبار کے دفتر میں استقبالیہ پر بڑی لجاجت سے اسے جمع کرواتے ہیں اور اگلے ایک دو دن میں سنگل کالمی خبر دیکھ کر یوں سمجھتے ہیں کہ وہ کوہ طور کی سیر کر آئے ہیں۔ بعض علامہ صاحبان وہ ہیں جنہیں دوستوں نے نشانہ مذاق بناتے ہوئے "علامہ" کہنا شروع کر دیا اور وہ اس پر ڈٹ گئے۔ بعض وہ ہیں' جن کا خیال ہے کہ لوگ تو انہیں کبھی نہ علامہ کہیں گے اور لکھیں گے کیوں نہ اس ناقدری زمانہ کا ماتم کرتے ہوئے خود ہی علامہ بن جائیں۔ شاید لوگوں کا بھی اس طرف دھیان جائے۔ بعض ستم ظریف علامہ صاحبان ایسے بھی ہیں' جو ابھی ہیں تو زیر تعلیم' لیکن حفظ ماتقدم کے طور پر یہ لقب انہوں نے پہلے الاٹ کرا لیا۔ بعض ایسے ہیں کہ جن کو تقریر کرنا بھی نہیں آتی اور دو جملے ادا کرنا ان کے لئے قبر کے حساب کتاب سے مشکل ہوتے ہیں' مگر مائیک ہاتھ میں لے کر تصویر کھنچوانا نہیں بھولتے۔ اخبار سے کسی کو کیا پتا چلے گا کہ علامہ صاحب نے خطاب فرمایا تھا یا نہیں؟

بہر کیف یہ سارے لطائف نہیں حقائق ہیں۔ اب ایسے میں اگر میں دہائی دوں یا گزارش کروں کہ آئندہ اقبالؒ کو علامہ نہ لکھا جائے تو میں حق بجانب ہوں۔ کیا "علامہ" کے لفظ میں کوئی حرمت رہ گئی ہے کہ اقبالؒ جیسی پیکر علم و خرد اور مجسمہ فکر و آگہی شخصیت کے ساتھ اب "علامہ" کا خطاب ضرور استعمال کیا جائے۔"

خشک سالی کے ذمہ دار بے نماز ہیں!

روزنامہ پاکستان یکم اگست 2000ء میں یہ خبر شائع ہوئی ہے۔

"افغانستان کے حکمران طالبان نے ملک میں جاری شدید خشک سالی کی ذمہ داری ان لوگوں پر عائد کی ہے جو نمازیں ادا نہیں کرتے۔ طالبان کا کہنا ہے کہ خشک سالی عذاب الٰہی ہے۔ خدا ان لوگوں کو سزا دے رہا ہے جو نماز پنج گانہ ادا نہیں کرتے اور ملک میں اسلامی حکومت کے قیام سے خوش نہیں ہیں۔ بی بی سی کے مطابق طالبان حکومت کے جاری کردہ اعلامیے میں کہا گیا ہے کہ بعض علماء کرام کو اللہ تعالیٰ نے خواب میں بتایا ہے کہ وہ افغان عوام سے ناراض ہیں جس کی وجہ نماز کی ادائیگی میں افغانوں کی سستی ہے۔ بی بی سی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا بعض حلقوں کے خیال میں اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب خود

طالبان بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ قحط اور خشک سالی کا شکار وہی علاقے ہیں جو طالبان کے زیر کنٹرول ہیں۔"

اس خبر پر مختلف لوگوں نے عجیب عجیب تبصرے کئے ہیں۔ مثلاً صرف افغان عورتوں کی ایک انجمن کا تبصرہ نقل کریں گے جس کا ہیڈ کوارٹر پشاور میں ہے۔ اس کی صدر نے کہا کہ طالبان نے افغان عورتوں کو ان کے اسلامی حقوق سے محروم کر رکھا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان پر خشک سالی کا عذاب بھیجا ہے۔

خاندانی منصوبہ بندی اور جماعت اسلامی

11 جولائی کو دنیا بھر میں خاندانی منصوبہ بندی کا عالمی دن منایا گیا۔ جماعت اسلامی نے اس پر مندرجہ ذیل الفاظ میں تبصرہ کیا ہے۔

"حافظ محمد ادریس امیر جماعت اسلامی پنجاب نے کہا کہ چیف ایگزیکٹو نے اپنے گرد جمع بیرونی طاقتوں کے مادر پدر آزاد این جی اوز کے نمائندوں کے پٹی پڑھانے پر پرانی گھسی پٹی بحث چھیڑ دی ہے کہ ملک میں افلاس و غربت آبادی میں اضافے کی وجہ سے ہے۔ یہ خالصتاً" کافرانہ اور مشرکانہ نظریات ہیں۔ اس لئے کہ قرآن مجید جو کہ ہمارا دستور حیات ہے اس میں برتھ کنٹرول کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حلال و حرام کو کوئی چیف ایگزیکٹو' پارلیمنٹ' ادارہ یا قوم بدل نہیں سکتی جو بھی اس کی کوشش کرے گا اسے اپنی ایمان کی خیر منانی چاہئے اور امت مسلمہ کے ردعمل کا بھی بخوبی اندازہ کر لینا چاہئے۔"

(روزنامہ پاکستان 14 جولائی 2000ء)

جماعت اسلامی کے لیڈروں کا مطالعہ' مودودی صاحب کی کتب تک محدود ہے اگر وہ اس موضوع پر اسلامی لٹریچر کا مطالعہ کرتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ خاندانی منصوبہ بندی کے جواز کے بارے میں پوری ایک درجن احادیث ہیں جن کے حوالے سے چاروں فقہی مذاہب کے ائمہ نے اسے بیوی کی اجازت سے جائز قرار دیا ہے (مختصر الفتاویٰ المصریہ از امام ابن تیمیہ ص 431) یہی نہیں امام ابو حنیفہ نے اس کا جواز قرآن مجید سے ثابت کیا ہے۔ مودودی صاحب نے اس موضوع پر جو 200 صفحات پر مشتمل کتاب لکھی ہے اس کے 195 صفحات کیتھولک پادریوں کے اقوال پر مشتمل ہیں صرف پانچ صفحات پر کمزور سی روایات درج کر کے انہیں رد کر کے حرام قرار دیا ہے۔ یہی نہیں اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں وہ خاندانی منصوبہ بندی کو جائز قرار دینے والوں کو شیطان کے شاگرد قرار دیتے ہیں' وہ اس بات کا احساس نہ کر سکے کہ ان کی اس پھبتی کا شکار امت مسلمہ کی کون کون سی ہستیاں ہونگی۔ اس بارے میں ایک درجن احادیث جن سے چاروں فقہی مذاہب کے ائمہ نے استدلال کیا ہے' سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے اس کی اجازت دی تھی۔ جماعت اسلامی والے حضرات اس قسم کے نازک مسائل پر بات کرتے وقت اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کر لیا کریں تو وہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچ سکتے ہیں۔

اسلامی تعلیمات کے ساتھ مذاق

روزنامہ جنگ لاہور کی 3 اگست 2000ء کی اشاعت کی ایک خبر ملاحظہ ہو:

"فیصل آباد (نمائندہ جنگ) سمندری روڈ پر واقع گاؤں چک نمبر 235 ر ب میں ایک مخالف فرقے کی نماز جنازہ میں شرکت پر مولوی نے فتویٰ جاری کر دیا کہ نماز جنازہ کے شرکاء کے تمام افراد کے نکاح ٹوٹ گئے ہیں جس پر گاؤں کے ان تمام افراد نے اجتماعی طور پر دوبارہ نکاح پڑھ لیا۔ دوسری جانب مرحوم کے بیٹے نے پولیس کو درخواست دی کہ مولوی صاحب گاؤں میں فرقہ واریت کو ہوا دے رہے ہیں جس سے امن وامان کا مسئلہ پیدا ہو رہا ہے۔ پولیس نے درخواست کی روشنی میں 16 ایم پی او کے تحت کارروائی کی تو مولوی صاحب نے معافی مانگ لی۔ بعد ازاں علاقہ مجسٹریٹ کی عدالت میں فریقین میں راضی نامہ ہو گیا اور دونوں نے بیان حلفی لکھ کر دیا کہ آئندہ جو کسی فرقہ کے خلاف بات کرے گا وہ پانچ لاکھ روپے تاوان سرکار کو ادا کرے گا"

فرقہ پرست علماء' اسلام کے ساتھ اس قسم کا مذاق کرتے رہتے ہیں' ہمارے وہ علماء حضرات جو ملک سے فرقہ بازی ختم کرنا چاہتے ہیں' انہیں اس قسم کے واقعات کا سختی سے نوٹس لینا چاہئے اور ایسے فرقہ پرست علماء کے خلاف سخت کارروائی ہونی چاہئے تاکہ وہ آئندہ اسلامی تعلیمات کا مضحکہ نہ بنا سکیں۔

نیوزی لینڈ کی وزیراعظم کو کار غلط جگہ پر کھڑی کرنے پر جرمانہ

مشہور عالم پریس ایجنسی ازانس فرانس نے نیوزی لینڈ کے دارالخلافہ آک لینڈ سے یہ خبر دی ہے کہ وہاں کی وزیراعظم نے اپنی کار غلط جگہ پر کھڑی کر دی۔ جس کی بنا پر بطور سزا اس پر جرمانہ لگا دیا گیا۔ جو اس نے خوشی سے ادا کر دیا۔

(روزنامہ دی نیشن لاہور 30 جولائی 2000ء)

اس واقعہ سے ایک تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ یورپ کے بہت سے ممالک میں جن میں انگلستان جیسا امیر ملک بھی شامل ہے حکومت کی طرف سے وزراء کو کوئی ٹرانسپورٹ مہیا نہیں کی جاتی وہ اس کا انتظام اپنی جیب سے کرتے ہیں اور کاریں خود چلاتے ہیں جیسا کہ اوپر والے واقعہ سے ظاہر ہے۔ لیکن ہمارے غریب ممالک میں یہ تصور ہی نہیں کیا جا سکتا کہ معمولی سے معمولی سرکاری افسر بھی گاڑی چلائے۔ جہاں تک وزیراعظم صاحب کا تعلق ہے تو ملک کے سابق وزیراعظم صاحب کے لئے ملک کے مختلف حصوں میں پوری دو درجن پرتعیش گاڑیاں ہر وقت تیار رکھی جاتی تھیں۔ اس قسم کی عیاشیوں پر قومی دولت ضائع کرنے کے بعد ہم ان ملکوں سے بھیک مانگنے جاتے ہیں جو اپنی گاڑیوں کو چلانے کے لئے ڈرائیور یا شوفر تک کے اخراجات گوارا نہیں کرتے۔

درندگی کی انتہاء

روزنامہ خبریں کی 26 جولائی کی اشاعت میں شائع ہونے والا یہ مراسلہ پڑھیں۔

"گزشتہ دنوں شائع ہونے والی ہولناک خبر کہ اوکاڑہ کے نواحی گاؤں' 13 ون آر اے کے محمد صادق کی بیٹی بازار سے گزر رہی تھی کہ شبیر نامی زمیندار کے بگڑے بیٹے نے اس معصوم پر "تفریحاً" اپنا کتا چھوڑ دیا حتیٰ کہ کتے نے بچی کو چیر پھاڑ کر ہلاک کر دیا اور وہ خود کھڑا محظوظ ہوتا رہا۔" مجھ جیسے کا جس کا بچی سے کوئی رشتہ نہ تھا' کلیجہ پھٹ کر رہ گیا ہے۔ ارباب اختیار سے استدعا ہے کہ اس واقعہ کا سختی سے نوٹس لے کر ملزم کو نشانہ عبرت بنائیں۔

امان اللہ' مہاراجہ روڈ' سیالکوٹ شہر

مختلف اصلاحی تنظیموں نے اس واقعہ کا سخت نوٹس لیا لیکن کسی دینی جماعت نے اس کا نوٹس نہیں لیا۔ حالانکہ وہ بڑی حد تک اس صورت حالات کے ذمہ دار ہیں۔ خیال رہے کہ اسلامی قانون کے مطابق اس ملک کی تمام اراضی' قوم کی مشترکہ ملکیت ہے۔ کوئی فرد اس کا مالک نہیں ہو سکتا اس لئے زمیندار طبقے کے وجود کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن ہمارے علماء حضرات نے اس اسلامی قانون کے برعکس یہ فتویٰ دے رکھا ہے کہ غیر حاضر زمیندار بڑے بڑے قطعات اراضی کے مالک ہو سکتے ہیں ان قطعات پر غریب لوگ محنت کرتے ہیں' اور یہ زمیندار لوگ ان کی محنت کا پھل مفت میں کھاتے ہیں۔ ان کا ایک مشغلہ کتے پالنا ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا واقعہ کوئی پہلا واقعہ نہیں اس قسم کے دلدوز واقعات اکثر ہوتے رہتے ہیں۔ ان کا خاتمہ ملک میں اراضی کے اسلامی قانون کے نفاذ سے ہی ہو سکتا ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ہمارے علماء حضرات اس قانون کا مطالعہ کر کے اسے ملک میں نافذ کرنے کا مطالبہ کریں۔

ایک تلمیذ اقبال کا قرآنی تصور صلوٰۃ
اسے ریکارڈ میں رکھئے

محمود مرزا صاحب اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ:

"جنرل ضیاء الحق کے دور کا ایک بڑا کارنامہ نظام صلوٰۃ کا قیام تھا جس کے مطابق سرکاری اہتمام کے تحت دفاتر میں نماز

دا کی جانے لگی' ان دنوں نماز کے حق میں ایک مہم جاری کی گئی اس سلسلے میں بار بار اشتہارات پڑھنے کو ملے کہ نماز برائیوں سے روکتی ہے مگر عام آدمی کا مشاہدہ اس کے برعکس ہے۔ ہم نے بہت سے نمازیوں کو سماجی اور کاروباری برائیوں میں مبتلا دیکھا ہے۔ عبادت گزار افراد میں سے بہت سے ناخالص اشیاء فروخت کرتے ہیں۔ ناجائز منافع حاصل کرتے ہیں۔ امپورٹ ڈیوٹی بچانے کے لئے درآمدی قیمت کم ظاہر کرتے ہیں۔ بجلی چوری کرتے ہیں۔ ایکسائز ڈیوٹی اور سیلز ٹیکس پورا ادا نہیں کرتے۔ انکم ٹیکس چھپاتے ہیں۔ مجھے چند اسلامی فلسفیوں کی صحبت میسر رہی ہے۔ ایسے ایک فلسفی سید نذیر نیازی مرحوم و مغفور تھے۔ سید صاحب علامہ اقبالؒ کے شاگرد تھے۔ ("طلوع اسلام" کو ابتداء" سید نذیر نیازی مرحوم کی زیر ادارت رہنے کا اعزاز حاصل رہا ہے۔ ادارہ) انہوں نے علامہ اقبال کے لیکچرز "اسلامی فکر کی نئی تعمیر" کا ترجمہ بھی کیا ہے۔ میں نے ان سے ایک بار پوچھا کہ بہت سے نمازی برائیوں میں مبتلا کیوں ہیں جب کہ قرآن کا فرمان ہے کہ نماز برائیوں سے روکتی ہے بالخصوص اب جب کہ حکومت کے دعوؤں کے مطابق نظام صلوٰۃ قائم ہو چکا ہے اور اسلامی قوانین بھی نافذ ہو چکے ہیں' رشوت میں اضافہ کیوں ہو گیا ہے (خیال رہے کہ جنرل ضیاء الحق کے دور میں ان کے ایک وزیر نے دعویٰ کیا تھا کہ پاکستان میں نافذ پچانوے فیصد قوانین اسلامی بن چکے ہیں۔ دوسری جانب جنرل صاحب نے تسلیم کیا تھا کہ آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے) سید نذیر نیازی کم ہی علمی گفتگو کے لئے تیار ہوتے تھے میری خوش قسمتی کہ وہ بول پڑے فرمانے لگے کہ نماز اس وقت نمازیوں کو برائیوں سے روکے گی جب معاشرے میں اسلامی اقدار کے مطابق منصفانہ نظام قائم ہو جائے گا۔ انہوں نے "نظام" کے لفظ پر زور دیا اور نظام صلوٰۃ کی لمبی توجیہہ کی' انہوں نے لفظ صلوٰۃ کے بہت سے معنی بتائے۔ مجھے ان کی تفصیل یاد نہیں البتہ اتنا یاد ہے کہ ان کے بیان کردہ ایک معنی کے مطابق ایسا معاشرہ نظام صلوٰۃ ہوتا ہے جس میں انسانی اور منصفانہ اقدار پنپ سکیں۔ میں منصفانہ معیشت اور معاشرتی اقدار کے باہمی تعلق کا پہلے سے قائل تھا مگر اسلام کے حوالے سے جو بات انہوں نے مجھے بتلائی وہ میری سوچ نکھارنے میں مددگار ہوئی۔ میرا یقین مستحکم ہو گیا کہ اسلامی قوانین اور عبادات اپنی جگہ اہم ہونے کے باوصف منصفانہ معاشرے کا نعم البدل نہیں ہوتے ان سطور سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ کرپٹ معاشرے میں اخلاقی قدروں کا پنپنا ممکن نہیں ہوتا اور یہ کہ سچائی کی زندگی بسر کرنے کے لئے انسان دوست معاشرتی نظام کا قیام اسلام کی رو سے لازمی ہے۔"

(بشکریہ روزنامہ دن' 19 جولائی 2000ء)

خریدار حضرات توجہ فرمائیں

مجلہ طلوع اسلام کی درج ذیل خوبصورت جلدیں =\180 روپے فی جلد علاوہ محصول ڈاک دستیاب ہیں۔

۷۲ء۔ ۷۳ء۔ ۷۵ء۔ ۷۶ء۔ ۷۷ء۔ ۷۸ء۔ ۸۳ء۔ ۸۴ء۔ ۸۵ء۔ ۸۶ء۔ ۸۷ء۔

۸۸ء۔ ۹۱ء۔ ۹۴ء۔ ۹۵ء۔ ۹۶ء۔ ۹۷ء۔ ۹۸ء۔ ۹۹ء۔

کامل مومن وہ ہے جو خوش اخلاق اور گھر والوں سے نرم سلوک کرنے والا ہو۔ (ترمذی)

A perfect believer is that who is nice in behaviour and kind to his family members. (Tirmizi)

SHAHAB

QUALITY PISTON RINGS

THE ONLY MANUFACTURERS OF INTERNATIONAL QUALITY PISTON RINGS IN PAKISTAN.

MINIMIZE WEAR
RESTORE COMPRESSION
GET MORE POWER
CONTROL OIL

CALL US FOR THE EXCELLENT RECONDITIONING OF AUTOMOBILE ENGINES OF ALL KINDS.

M. SHAH MOHAMMAD & SONS (PVT.) LTD.
OUTSIDE PAK GATE, MULTAN, PAKISTAN
PHONE OFFICES : 545071, 43671, 539071-73
FACTORY 550171

(3) *Mysticism* credits negative virtues, namely humility, modesty, weakness, etc. These virtues are appropriate to a *negative* life which works for annihilation of Self. In consequence mysticism has been described as "an alien growth in the land of Islam", because, contrary to mysticism Islam advocates a *positive* life and expects man to master nature, establish justice, and attain his destiny by integrating human Personality. And it is the many shining facets of a developed Personality which go to make up character.

Why Do We Lack Character?

In the light of the foregoing the straight answer to this question is that we lack character because we do not distinguish the human level of life from the animal level; because we do not appreciate the Divine Energy in us, that is, our Personality, the deciding, determining and dynamic agent in Man; and because we do not care for Permanent values in life as taught by the Holy Quran. The answer also helps to show the way to develop character, namely, that we should, in all seriousness, take up the education of our people, particularly in Quranic fundamentals, and life's permanent Values. Dissemination of Quranic teachings should be at the top of our educational programme. ***Lughat-ul-Quran*** brought out in four volumes by Tolu-e-Islam Trust (Regd.) Lahore, which explains with the help of authentic Lexicons, the meaning of Quranic words, idioms, phrases, special terms and new concepts, should prove helpful in an intelligent study of the Holy Book, Al-Quran.

G.A. Parwez

****

The article "Why Do We Lack Character?" that you have just read will be available soon at the Idara Tolu-e-Islam, in the form of a pamphlet. It has been prepared with the sole cooperation of the Bazm Tolu-e-Islam, London. You are invited to send your orders at the Lahore Center, if you are living within Pakistan, and to London Bazm if you are living abroad. *(Editor)*

intellectuals although unbelievers in human Personality call them lunatics.

(4) Intellect by itself cannot discover human values; they are revealed. Faith in Revelation and belief in human values go hand in hand. Faith and healthy deeds are, according to the Holy Quran, inseparable.

(5) Off-and-on one comes across people who have no faith in revelation but honour human values and are prepared to make the biggest sacrifice for their sake. An analysis of their mind will show one of two things. *Either* they were brought up in an environment where human values were respected and stressed traditionally and were reposed carefully in their sub-conscious mind *or* their sacrifice was prompted by some motive like reputation, popularity, or the like. Sacrifice in their case is not a manifestation of character; character seeks strength of Personality and not satisfaction of physical urges.

(6) Development of human Personality proceeds from faith in the Quranic values and through safeguarding them in practical life. They have to be honoured *en masse*. Ignoring some and respecting others would not achieve full development.

(7) Development of human Personality is possible, not in seclusion, but in a society called Islamic State, whose edifice rises on a faith in Quranic permanent values. The duty of Islamic State consists in safeguarding of human values and popularising them throughout mankind. Quranic Social Order guarantees every citizen means for development of Personality and all that is pleasant and dignified in the world.

Mysticism and Character.

Finally a word about the impact of mysticism on character. *Mysticism* claims purification of self or spiritual advancement through various practices performed in seclusion. There is in mysticism no incentive for man to work for a social order or a State. The subject has been discussed at great length in my book **"Saleem ke Nam Khatoot"** (Vol: III). Briefly stated the essential features of mysticism are:--

(1) It is misleading to say that *Mysticism* aims at the development and integration of human Personality. In fact it holds human Personality or Self to be the root cause of all misery which can be shed only by effacement of human Self. Mysticism believes that human Self is a part of Divine Self which on detachment therefrom has got stuck in the morass of matter, that the purpose of life is to pull out human Self from matter's marsh and rejoin it to its Principal and that the object is achievable through discarding society, relations and desires. *Mysticism* aims at annihilation and not integration of Self.

(2) In mysticism society, state, social organization, are matters for the worldly and an essential pre-requisite for self-purification is that they must all be discarded. Man's salvation or salvage of soul from matter's mud is an individual affair and can be achieved through meditation and exercises of a strenuous nature.

product of the urge of self-preservation and has nothing to do with human values *vis a vis* physical urges. Nationalism makes self-preservation a collective instead of an individual affair. This does not mean decrying Nationalism, that is the urge for protecting one's country. Self-preservation is a must and unless a country is fully protected that 'must' will become impossible. What the foregoing is intended to convey is that work for self-preservation, whether individual or collective, does not signify positive character but reveals sound practical wisdom. Similarly indifference to self-preservation is un-wisdom and not a negation of character. A man sailing in a boat if he begins boring a hole in its bottom, will be called a lunatic and not one lacking character. Similarly if a citizen works for the country's disintegration he will be termed a lunatic. If the national urge makes him sacrifice personal gain for national good he would be credited with sound sense like the man in the boat who uses his valuable handkerchief for stuffing the hole in its bottom. Character comes in where one having faith in permanent values hazards a plunge to save a drowning person. There might be instances of people taking a plunge who have absolutely no idea of permanent values, but their psychological analysis is likely to show that either they were aware unconsciously of the relevant permanent value or they did it with some ulterior motive. Display of true character takes place where one is confronted with two values and he sacrifices deliberately and consciously the lower for the higher value. Faith in Quranic permanent values does it; Communism and all other isms are helpless in the matter.

Momin's Patriotism.

Believers in Quranic values sacrifice self interest for country's sake not because the sacrifice would safeguard their personal interest, but because they wish their country to become a model for the world for enforcing permanent values. Their preference for a permanent value over personal gain is a sign of their elevated character.

The difference between the patriotism of a believer in materialistic concept of life and of a *Momin* is clear. For the former his country is an end in itself because "who dies if England lives", but for the latter his country is not an end in itself but only a means for enforcing permanent values. *Momin's* patriotism protects undoubtedly his personal interest as well as of his family, but this is by way of by-product. In Quranic Social Order there is integration of human Personality along with development of body. The entire activity of a *Momin*, whether for the development of body or Personality, merges into ad produces a balanced amalgan of character.

Resume:-

(1) In a conflict between two values concerning man's physical life if the lesser value is sacrificed for the greater value, it is an act of wisdom.

(2) In a conflict between a value concerning physical or animal level of life and a value concerning human level of life, if the latter is given preference over the former, character is demonstrated.

(3) Display of character presupposes faith in human values and human Personality. Character is wisdom too because it sacrifices lesser value for the bigger value. *Momeneen* according to the Holy Quran, are "*olul albab*" or master of intellect and wisdom. They are the true

needs, and make the rest available for others' nourishment. At times they would go even further and prefer others over themselves even though poverty be their portion (59/9). A loving and caring mother would rather remain hungry herself but must feed her children. She would gladly inconvenience her own sleep so that the child might sleep comfortably. In doing so she has not the slightest expectation of any return or reward. In the same way *Momins* tell those helped

"we desire no recompense from you, no thankfulness" (76/9).

But there is a difference. Whatever the mother does for the child is done under the stress of a natural instinct common to all animals, but what a *Momin* does is the outcome of thoughtful deliberation and free will. The distinction is vital and forms the foundation of the Quranic Social Order. It is a sure guarantee for the sustained elevation of character.

The Quranic Way.

The Holy Quran, on the one hand, makes the State responsible to see that every citizen is provided with the basic needs of life and the means for the development of latent capabilities. Weaknesses of character arising directly from want and poverty are thus eliminated. On the other hand, the Holy Book creates in every citizen, on the basis of reason, the conviction that his Personality will get integrated in proportion to what he makes available out of his earnings, after meeting his own needs, for the nourishment of others. There is no regimentation but conviction is brought home rationally by imparting education and training from early childhood. Quranic Social Order is made up in fact of persons with whom the conviction is an article of faith. The conviction eradicates all evils connected with hoarding and inflation since in the Quranic Social Order surplus wealth is not allowed to remain with the individual nor the urge of self-interest is permitted to tarnish human character. Communism also claims that it will not allow surplus wealth to remain with individuals and will thereby put an end to the evils of capitalism. But the communistic social order and the Quranic Social Order are entirely different.

Basic Weakness of Communism.

Communism has for its basis the materialistic concept of life and, therefore, can provide no urge for a worker to work the hardest and to part with willingly what may be, out of his earnings, surplus to needs. The absence of the urge constitutes a basic weakness foreboding its failure as a social order. It can subsist only with the help of external force and an order based on force cannot obviously last long, as the world has already witnessed the disintegration of Socialist Russia and Collapse of Communism in all Eastern European Countries. A social order will endure and advance only if it has the willing co-operation of the people, and such co-operation is impossible except with the Quranic concept of life. As already explained, the materialistic concept of life on which Communism is based, pertains to the animal level of life in which there is no room for the idea of character, because it can think of nothing higher than physical gain. The most the materialistic concept can do is to arouse the feeling of Nationalism and lead people from individual to collective effort for national good. But according to the Western concept of democracy Nationalism thrives on mutual hatred among nations. Every nation fears that if it becomes weak more powerful nations will swallow it up. Therefore Nationalism is at best th

substantial benefit. The choice avoids harm to Personality in the same manner in which harm to life made the hungry man reject the poisoned dish. The basis of the Quranic Law of Retribution is that every action is linked inextricably with whatever impression it produces and leaves behind on Personality. Faith in Personality prompts man continuously to do healthy deeds and exhibit nobility of character. A *"momin"* works for the good it brings and measures his reward not according to physical or material standards but according to the standard applicable to Personality. The verse

"I ask you not for any return: I get my return from God" (10/72).

conveys the same meaning. There is no action but has a return, the assessment of return varying according to the measure adopted. Working in consonance with permanent values does not deprive one of physical gains. In a social order constituted on the basis of permanent values an individual has physical gains along with the means of development of Personality *vide* the verse

"our Nourisher give to us in the present good and good in the future" (2/210).

Law of Development.

One of the laws governing development of Personality is that development proceeds in proportion to what one makes available from his earnings for the development of others. One who believes in human Personality works his best for earning a living, utilizes as much of it as would furnish basic needs of life and makes the rest available for the development of fellow beings. Judged by physical standards the process brings nothing but loss. If one knows that what is left after meeting his needs would pass to others, why should he work for the surplus. He should normally work for procuring his needs only and then relax. The reasoning is logical and a satisfactory answer to the argument is not easy to produce. Russia faced the self-made problem and in the absence of an adequate answer had no alternative to hanging an iron curtain along its borders. Quranic concept, however, provides an answer and by doing so establishes the superiority of the Quranic Social Order over the other social orders evolved by man. The establishment of the Quranic Social Order is the work of a group of "Mom-e-neen", that is people who are rationally convinced:

(i) That the purpose of life is the development of human Personality, and

(ii) That the development of Personality comes about through working hard and making available for others what is, out of such earnings, surplus to needs.

Why Do Momins Do So.

It is rather difficult to appreciate the keenness with which *momins* work for the purpose. Consider a mother suckling her baby. She must produce the maximum amount of milk for the baby's proper nourishment. The food she takes is intended primarily for her own nourishment. But she would never wish that it should all be assimilated for her body's growth and no portion converted into the baby's milk. In fact if the milk shows signs of drying up, she would at once consult her doctor and do everything to restore the supply. She is anxious for the baby's care and nourishment. Identical is the mental attitude of those who believe that by providing nourishment for others they help integration of their own Personality. They work to the maximum of their capacity, utilize only as much of their earnings as would provide them basic

(c) that permanent values cannot be discovered by human intellect but have been revealed by God: and

(d) that every action leaves an indelible impression on the doer's Personality.

In regard to permanent values of life Hastings Rashdall, who has been quoted before. holds in his book "The Theory of Good and Evil", pages 200-220, that for a belief in permanent values the following pre-requisites are essential:--

(1) That the universe has been created with a purpose, the purpose being provision of means for helping human self achieve its destiny.

(2) That human self is a permanent reality; that the reality is spiritual in so far as it has a permanent life of its own not identical with the changes of the material organism with which it is (in whatever way) connected; and that the acts of the man really proceed from and express the nature or character of the self.

(3) That man's present actions affect his future, i.e. his tomorrow would be identical with what he does today or, in other words, there is continuity in life. One who sees nothing beyond present life, will be after present gains and will attach no importance to permanent values, because their importance. as means for forming character, can be realized only when one believes life to be permanent and continuous. If he believes that character comes to an end with the last breath of life, why should he worry about formation of character.

(4) That there must be belief in God because "an absolute Moral Law or moral ideal cannot exist in material things, it can exist only in a Mind from which all Reality is derived".

According to the Holy Quran Faith *(Eaman)* and Character are inseparable: the Holy Book never misses to precede *"amelu as salehat"* (do good deeds) with *"al lazeena amanu"* (those who have faith).

Choice Between Gains.

No one will be prepared to do anything which does not do him any good. Take the example of two persons working in a Government office. They are there in self-interest, working for a pay. If a business-man comes along asking for some concession against the rules in return for a handsome bribe, the official to whom human Personality is a non-entity, will accept the amount provided he is assured of non-apprehension by the police, because the bribe brings him monetary gain. The other official, however, who has faith in human Personality will not accept the bribe. because he values more the gain in being honest. He realizes that acceptance of bribe will bring him physical gain but will harm his Personality and that rejection of bribe will mean a physical loss but a gain for his Personality. He will balance the gains and. since Personality is in any case more valuable, he will welcome Personality's gain and reject what will satisfy only a physical urge. In making the decision he does nothing against self-interest. He only goes in for a greater gain. His choice is not in obedience to any order nor in fulfillment of any duty but because it brings him

(i) Man's body and its physical urges are not an end in themselves but are a means for the achievement of a higher purpose, namely integration of his Personality.

(ii) It is very necessary that bodily urges shall be satisfied. In our example the hungry man threw away the poisoned dish because the stuff which was a means for saving life had turned into a source of destruction. But when there is a conflict between a physical urge and a permanent value, the former must be sacrificed for the latter with the full cognizance and consent of intellect, the vigilant and uncompromising guardian of self-interest.

(iii) A believer in the Quranic concept of life takes care of permanent values, not in obedience to some body's order nor as a matter of duty, but after making a deliberate and calculated choice. The satisfaction of the physical urge offers him physical pleasure or temporary gain, and regard for the permanent value promises him honourable and abiding life. He decides solely on the basis of reason that he should give up the lesser gain for the sake of a bigger gain. Allama Iqbal[1] draws a distinction between two phases of intellect. When it cares only for the satisfaction of physical urges intellect is *Aql-e-Khud Been* (self-seeing intellect) and when it cares for the satisfaction of urges both of body and Personality, intellect is *aql-e-jahan been* (all seeing intellect). The Holy Quran calls gains of body *Hayat-ud-dunya* (nearer or present gains), gains of Personality *Aakherat* (gains of the future) and Momeneen (believers) *olul albab*, that is those possessing intellect of a superior order.

(iv) Care of permanent values under the Quranic concept, is a rational affair. Intellect works for self-interest and when it is face to face with two gains, it chooses the bigger gain. Human intellect at the animal level is low but rises higher and higher as it attains *Momin's* level of life. A *Momin* is intellectually always a superior being.

(v) Anything done at the instance of "self-seeing" intellect would, as commonly under-stood, be an act of wisdom. But what is done in pursuance of "all-seeing" intellect would be wisdom, *cum* character. "Al-seeing" intellect of a *Momin* never conflicts with his faith.

Basis of Character.

Character and human dignity are closely connected with a firm belief in the following:--

(a) that man is not merely his body, but has also a Personality whose integration is life's real purpose;

(b) that as there are laws for the development of Body, so there are laws for the integration of Personality, called permanent values;

[1] Dr. Sir, Mohammad Iqbal, Poet, Philosopher of Pakistan (1877-1938)

[illegible] Concept of Life.

The other concept of life, according to the Holy Quran, is that man is not his body only, but that he has also a Self or Personality or to use Quranic terminology, Divine Energy, whose development is the real purpose of life. Development of Personality requires the frame-work of body and, therefore, along with the development of Personality, the development of body is also necessary. Development of body is, however, only a means for the development of Personality and not an end in itself.

Man Wishes to Live on.

A desire lurking in the deepest recesses of man's heart is to live on and never die. Self-preservation is man's instinct and his intellect helps provide all the means required for the purpose. Self-preservation is the basic theme of the story of Adam narrated allegorically in the Holy Quran. ***Iblis*** took note of this human feeling, advanced towards Adam and offered affectionately a suggestion that would secure him immortality coupled with power which knows no waning. The offer touched Adam's tender most feelings and he beseeched *Iblis* impatiently to tell him the secret. Said *Iblis* "you can live after death through progeny which will perpetuate your name generation after generation." The effect was magical, intense and abiding. There is no limit to the anxiety of an issueless individual advancing in age for having a son. Bemoaning and bewailing he can never reconcile himself to dying sonless because then his abode would become dark, his name would be forgotten, his lineage would come to a dead end and his family would cease to be for all time to come. But *Iblis's* suggestion, said God to man, was a deception and a delusion born of the material concept of life. A father has a separate and independent existence from the son. If the son lives on it cannot make the father immortal. The way to achieve immortality lies elsewhere, namely through adequate development of Personality. A developed Personality is unaffected by physical death; it continues to live after death and live forever. That is the way to achieve immortality, the deepest and the strongest yearning of man. God told man further that in the present state of his existence development of Personality is possible through his body and that therefore protection of body and satisfaction of bodily urges is an unavoidable necessity. Consider an egg, the hidden life germ in which can, with due care and attention become a chicken provided the eggshell remains firm and is adequately protected. The shell is, however, a means for developing the inner potential chicken and not an end in itself. Similarly man's body is a means for developing his Personality, not an end in itself. God also said to man that as there are laws for the development of his body, so there are laws for the development of his Personality. The latter laws cannot be discovered but have been revealed and are preserved in the **Holy Quran**. They are Human or Permanent Values of life and in their application they are as universal as the physical laws governing man's body.

Difference Between the Two Concepts:--

Life lived under the Quranic concept differs vastly from life lived under the materialistic concept. According to the materialistic concept man's physical life and bodily urges are an end in themselves and are not subject to any higher law. But according to the Quranic concept

The position of Kant stated simply is that human values are duties which man should perform for the sake of duty and not for achieving some purpose. They are duties *a priori* needing neither any argument for their proof nor any expectation for return or reward.

Urge for Human Action.

Kant's theory might be viewed an achievement in the realm of thought, but there is nothing in it which could sparkle man's urge to sacrifice material gains and pleasures in favour of human values. The sacrifice needs a powerful stimulus, too strong for demands of self-interest. As a rational and conscious being he will attempt nothing which does not assure self-interest. Neither the high sounding theories of philosophers nor the forceful sermons of the mystics have succeeded in persuading man to forego self-interest for the preservation of human values. Their success, if any, has been restricted to a few devotees only. Their expositions lack the capacity of becoming universal life-principles.

Material Concept of Life.

According to the Holy Quran there are two concepts of life. One concept is that man is only an animal of a some-what improved order, who lives subject to physical laws and when under their operation his bodily machine stops, he dies and with death comes his final end. This concept views man as an embodiment of physical urges at the animal level to the complete exclusion of human values. Man is a social being and since collective living leads to clashes of interest, society frames laws and regulations to keep the clashes at the minimum. One who observes the social laws is a peaceful citizen; their violation leads to punishment by courts or brings on social stigma. Under this concept of life--

(i) Society needs no permanent principles or values but frames laws and regulations at will and modifies, annuls or adds to them as expedient;

(ii) The urge for respecting social laws arises from fear of legal punishment or social stigma;

(iii) The need for respecting the laws disappears the moment one can manage to escape the grip of law or to avoid social stigma; and

(iv) The sole criterion of character is that a person does not place self-interest over national interest. Anti-national activities are not only a penal crime but a social stigma also. But if the legal machinery of a court weakens and self-interest becomes the order of the day, as is common in all poor third world countries including Pakistan, there is no check which would stop unrestricted grabbing nor is there any inner urge which could awaken a sense of character in the people.

This concept, the material concept, of life has made this earth of ours a veritable hell. Countries alive to national interest have become a terror for the other nations; those who have ceased to be mindful of national interest, are a curse for themselves and an object of hate for the rest of the world. There is in this concept no room for character as defined above. It is self-interest only which the concept breeds in individuals as well as groups. Placing of national over personal interest is practical wisdom and not character.

instead of having arsenic, has been prepared from ill-gotten money. How will the hungry person react to the modified report? Ten to one he would snatch the dish and begin swallowing the contents. There will be available to him a thousand excuses against the plea of ill-gotten money, because he sees the gain in eating the dish, but none in rejecting it. Were he convinced that the dish was as deadly as the one with arsenic, he would most certainly throw it away. The truth is that in case of a tie between a physical urge or a material gain and a human value if a person is convinced that he stands to gain more by safeguarding the value he will without doubt sacrifice the physical urge. How is the conviction to come? The question is a challenge to ethics, "religion" and rationalism.

"Religious" View.

A group amongst the believers in human values is the "religious" or the God fearing group. (Islam is a social order and not a "religion" and hence it is excluded from this group). The group views human values as so many divine injunctions. Their observance pleases God and their violation incurs His wrath leading the recalcitrant into Hades after death. Man should therefore fear God's displeasure and chastisement and never disobey His commandments. The "religious" view might be acceptable to the primitive mind but it cannot satisfy the advanced twentieth century mind. One can threaten a child into obedience, but not a grown up person. He may obey under duress, but his inner self will revolt all the time and watch for an opportunity to break away. Moreover, there is no nobility of character in actions performed under duress. "Religious" view, therefore provides neither an explanation for safeguarding human values nor a guiding force for human actions.

View of Western Thinkers.

Many Western thinkers can be cited, but for brevity's sake one or two quotations should suffice. According to Kant, who enjoys a unique position amongst Western thinkers, the whole edifice of ethics is founded on Man's goodwill. Says he

> "It is impossible to conceive anything in the world, or even out of it, which can be taken as good without limitation, save only a *"good will."*
>
> (Quoted by H.J. Patton in his "The Categorical Imperative", page 34).

Kant defines "good will" as "a will which acts for the sake of duty." (Ibid, page 45). That is, doing duty for the sake of duty is "good will" provided it is free from gainful expectation. Good action, however good it may be, ceases to be good the moment it is associated with expectation of return or reward. The return for a good action is the principle which prompts it. Kant divides principles into two categories. Those which prompt a person to action for gaining some purpose (material maxims) and those which urge him to action without any purpose *(a priori* maxims). These latter, *a priori* maxims, give rise in man to a sense of duty. An a *priori* maxim is, in Kant's words, "categorical imperative". Says he

> "The categorical imperative would be that which represented an action as necessary of itself without reference to another end, i.e. as objectively necessary."
>
> (Critique of Practical Reason, page 31).

Human Level of Life.

Permanent values pertain to human as distinct from animal level of life. The Quranic term for the animal level of life is ***"Hayat-ud-dunya"***, or a level of life in which man's vision is restricted to immediate gains. (The word *dunya* means nearer). Satisfaction of physical urges is accompanied by pleasure which the Holy Quran would not discard. Great discretion has to be exercised, however, when there is a tie between a physical urge promising pleasure and a human value. One who sacrifices the latter for the former is not a man of character; if he does the opposite, his behaviour would be acclaimed as laudable character.

A Quranic Illustration.

The Holy Quran expects witnesses to be men of character. Says it

"O believers, be you securers of justice. If you are summoned as a witness, be a witness for God regardless of your relationship with the parties, whether your evidence culminates yourself or goes against your parents and kinsmen and whether the party affected is rich or poor. God's Law is the best protector for the rich and the poor. God stands closest to either and claims that you be true to Him in preference to every one else. Let not caprice, personal gain, demands of relationship or regard for riches swerve you from the path of justice. Also in tendering evidence, neither twist your statement nor avoid any, remembering always that God is aware of the things you do", (4/135).

Evidence might often involve an acute struggle between material gains and justice. Victory of the former is a sign of "low" character. The Holy Quran calls it "following ***hawa"*** and the word ***"hawa"***, in its basic meaning, has the idea of carrying towards a low level. Victory of the latter (Justice) is evidence of true character. Struggle between material gains and human values appears at all cross-roads in life and the test of character is the choice one makes.

Why should Material Gains be sacrificed for Human Values?

This is an important question. Riches, a life of comfort, a good name, high office and status, the charm of authority are all full of attraction. Should one give them up for the sake of preserving human values? Self-interest is ingrained in man. He cannot be weaned from it. He would not sacrifice self-interest unless and until he is convinced that in doing so he stands to gain more. He will preserve human values only if there is a reasonable prospect of greater gain.

Example of Hungry Man.

Think of a person who has had no food for several days, and, due to hunger, is unable to sit up. If a dish full of steaming *pulao*[1] is brought, won't he sit up, advance impatiently towards the dish, pick up a morsel and carry it towards his mouth? While in the process if he hears some one say that although the dish is a dainty, arsenic instead of salt has been added to it by mistake, would he put the morsel into his mouth or would he throw it back into the dish and bang the dish on the ground? He would undoubtedly do the latter since eating the stuff means certain death. He would prefer pangs of hunger rather than risk life. Now suppose the report said that the dish,

[1] A delicious rice dish cooked with meat.

esteem. Thugs felt proud of killing poor wayfarers. Nationalism is recognized the world over as a political and social creed and one who helps the well being of his nation by exploiting the other nations. is regarded a patriot worthy of being immortalized in metal and marble.

In the words of Rumelin.

> "Self regard is its (State's) appointed duty; the maintenance and development of its own power and well-being is the supreme principle of all politics. The State can only have regard to the interest of any other State so far as this can be identified with its own interest. The maintenance of the State justified every sacrifice and is superior to every moral rule"

(Quoted by Robert H. Murray in his, "The Individual and the State", page 216)

Universal Standard of Character.

Since human values vary with different societies should character mean harmonizing oneself to the values which a society might stress for the time being? In days gone by Spartans viewed theft a virtue and held the smartest thief in the high-test esteem; today theft is a crime and a thief a criminal. With us conception of a virgin is a disgrace for the family, in the West sexual intercourse between a willing couple is neither an evil nor a criminal offense: even homosexuality between willing parties is condoned there. Is there then no universal standard of character?

Quranic Concept of Character.

People inhabiting different countries might follow different ways of life but, according to the Holy Quran, human values are the same anywhere and unchangeable too. It is not given, however, to human intellect to determine such values. Human intellect is essentially individualistic in character. It can seek preservation of the particular self to which it belongs individually or collectively, but not that of the other selves. For the well-being and preservation of mankind as a whole, however, what is needed is not an individualistic intellect, which cannot see beyond its nose, but a comprehensive and all pervading intellect, namely God and Revelation. It is Revelation alone which gives abiding universal values. The revealed values are preserved in the Holy Quran, the code of life for mankind in all climes and ages. Quranic values are Permanent Values of life and provide a universal standard of character or, to use Quranic terminology, ***Taqwa.***

Rational thought fully endorses Quranic concept of character. The famous writer Hastings Rashdall says:

> "That there is one absolute standard of values, which is the same for all rational beings, is just what Morality means."

(The Theory of Good and Evil, Vol. II, page 286)

On page 211 of the book he agrees that these values cannot be devised by human intellect but have been revealed to man and says:

> "Certainly it (moral law) is to be found, wholly and completely, in no individual human consciousness. Men actually think differently about moral questions, and there is no empirical reason for supposing that they will ever do otherwise".

Let us attempt a definition on a layman's level.

An Illustrative Proverb.

The proverb says "Sacrifice wealth to save life and sacrifice life to save honour". The first half of the proverb is clear. Wealth and life have their respective values and if only one of them can be saved then wealth should be sacrificed to save life. One who sacrifices wealth for life or *vice versa* is, however, neither credited with character nor condemned. A miser once fell ill and his son called in an eminent doctor, not for helping the patient, but for saving his face against the charge of indifference towards his ailing father. The doctor examined the patient, diagnosed the disease and wrote out a prescription. As the son was leaving for buying the medicines, the father told him to do so only after first ascertaining from the undertaker the cost of his funeral, that is, he should adopt the less costly course. The advice will excite laughter, not because it exhibits lack of character but on account of its absurdity. Preservation of self is an urge which every living being follows instinctively. How hard does a tiny little ant struggle against obstacles endangering its life! Man is no exception. If he sacrifices wealth for life, he follows a natural instinct and not any moral value. Doing the opposite would be devoid of sense. Harming oneself is lunacy.

The second half of the proverb suggests that life and honour have both a value but that if there is a tie between them and only one can be saved, then it is honour which should be preferred. He who sacrifices life for safeguarding honour is universally applauded as a man of character; he who sacrifices honour to save life is unreservedly condemned.

Character Defined.

Preservation of life is an animal instinct; not so is the preservation of honour. The concept of honour is unknown to the animal world. In fact it forms the line of demarcation between the Animal and the Man. Honour is a specific human value. Preservation of human values elevates the level of life, from the animal to the human. Character may, therefore, be defined as ***who so preserves human values against animal instincts is a man of character.***

Assessment of Human Values.

Human values might have different meanings. Take the word honour. "God has saved my honour." means that I have not been disgraced before my friends. "She gave her life to save her honour"—here honour signifies chastity. But the meaning of chastity itself might differ from people to people. In the East if some one casts an evil glance at a veiled lady, her father or brother would not hesitate to shoot him. In the West, however, if a girl flirts publicly, her father or brother, instead of having any qualms, would feel proud of her as a popular society girl! Again one society might attach the greatest importance to a particular value which in the estimation of another society might not be a value at all. We respect and honour our parents, but there have been tribes with whom eating them up constituted a sacred duty. The Puritans saw nothing wrong in stealing Negro children and shooting the Irishmen. The Jews thought it bad, even criminal, to levy interest among themselves but permitted it in the case of non-Jews. In an island of the Pacific there is a tribe with whom dishonesty is the best moral conduct and among whom the cleverest cheat is held in the highest

Why Do We Lack Character?

Widespread Impression.

"Our people have no character" is acknowledged universally, at home and abroad, in business and government circles, and in every sphere of administrative activity. Lack of character produces social imbalance and leads ultimately to national decline and disintegration. The malady has been eating up the vitals of our social life too fast to withstand an unexpected shock.

Meaning of Character.

The outward signs of a weak character are commonly believed to be bribery, corruption and exploitation but they do not bring out the true significance of the word. It belongs to the realm of ethics, which defines character in terms not easily intelligible to the common man. Here are a few definitions given by Western writers on ethics.

> "Morality is character. Character is that which is engraved. Character is really inwardness. Immorality as energy is also character, but to be neither moral nor immoral is merely ambiguous".
>
> (Soren Kierkegarard in "The Present Age", page 15).
>
> "Character is the manifestation of Truth, and Truth is the conformation of Appearance to Reality".
>
> (Professor Whitehead in "Adventures of Ideas", page 309).
>
> "Character is adopting 'Good' and good is the movement in the direction of home, 'evil' is the aimless whirl of human potentialities without which nothing can be achieved and by which, if they take no direction but remain trapped in themselves, everything goes away".
>
> (Martin Bubar in "Between Man and Man", page 78).
>
> "Character is the possession of power over oneself; it is the victory over slavery to oneself".
>
> (Berdyaev in "Slavery and Freedom", page 47).
>
> "Each person should in his acts, and behind them in his thoughts and his emotions, exercise that control which is necessary in order to assure not only harmony in his own personality but also social harmony".
>
> (Alexander Loveday in "The Only Way").
>
> "Character in the most general sense is a man's attitude towards his human surroundings which is expressed in his actions". (Kerschensteiner's essay on "The Concept and Education of Character" quoted by
>
> (Martin Bubar in "Between Man and Man", page 108).